اہلِ حق اور اہلِ باطل

کی شناخت

مؤلف

حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ

(م: ۲۸؍ستمبر ۲۰۱۳ء)

(بانی: مدرسہ سراج العلوم، چھپرہ، ضلع مئو، یوپی)

مرتب

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

مکتبہ ضیاء الکتب خیرآباد، ضلع مئو (یوپی)

اہل حق اور اہل باطل کی شناخت

مولف

حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ (م: ۲۸؍ستمبر ۲۰۱۳ء)
(بانی: مدرسہ سراج العلوم، چھپرہ، ضلع مئو یوپی)

مرتب

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

ناشر

مکتبہ ضیاء الکتب، خیرآباد، ضلع مئو (یوپی)
پن کوڈ: 276403 موبائل: 9235327576

تفصیلات

نام کتاب : اہل حق اور اہل باطل کی شناخت
مؤلف : حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ
مرتب : مولانا ضیاء الحق خیرآبادی
صفحات : 72
طبع اول : ۲۰۰۷ء
طبع دوم : ۲۰۱۵ء
ناشر : مکتبہ ضیاء الکتب، خیرآباد، ضلع مئو (یوپی)
قیمت : 60/=

ای میل: **zeyaulhaquekbd@gmail.com**

ملنے کے پتے

☆ فرید بک ڈپو پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی ۲
☆ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
☆ مدرسہ سراج العلوم چھپرہ ضلع مئو یوپی 9235327576
☆ مکتبہ الفہیم صدر چوک مئوناتھ بھنجن 9236761926
☆ مولانا محمد خالد قاسمی مکتبہ دار ارقم، اسلام آباد (ڈکہا) جون پور 9554983430

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مرتب

’’ہمارے گرد وپیش میں دین اسلام کے ماننے والوں نے اللہ جانے کتنی ٹکڑیاں بنا رکھی ہیں، اور ہر ٹکڑی کو دعویٰ ہے کہ وہ راہِ حق پر ہے، اور دوسرے لوگ غلط راہ پر ہیں، اگر سب ہی حق پر ہیں تو ان میں اتنا اختلاف ونزاع کیوں ہے؟ اور اگر ان میں کوئی ایک حق پر ہے، تو اس کا معیار اور اس کی شناخت کیا ہے؟

اس رسالہ میں دو حدیث رسول کی روشنی میں اس معیار اور شناخت کی وضاحت کی گئی ہے، جس سے نہایت آسانی سے اہل حق اور اہل باطل کے درمیان امتیاز ہو جاتا ہے ہاں انصاف شرط ہے۔ اس وضاحت کے بعد اس کی پہچان اور پرکھ کچھ مشکل نہیں ہے، ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے ادراک وتمیز کا وہ عنصر بخشا ہے، جس سے افراد واقوام کے مزاجوں کو پرکھ سکتا ہے، اگر نفسانی یا خارجی اثرات سے آدمی اپنے علم وادراک اور اپنے ضمیر کو دبا نہ دے تو وہ اہل حق اور اہل باطل کو بخوبی پہچان سکتا ہے۔

یہ رسالہ ایک آئینہ ہے، اس میں ہر فرقے اور طبقے کے لوگ اپنی اپنی تصویر دیکھ لیں اور اپنے متعلق خود فیصلہ کر لیں کہ ان کا تعلق کس سے ہے؟

ابتداء کے دو مضامین یہود ونصاریٰ کی گمراہیوں اور کجرویوں سے متعلق ہیں، کہ راہ ہدایت اور کتاب خداوندی کے ہوتے ہوئے کیسے یہ لوگ گمراہ ہوئے، یہ دونوں اصل مضمون (اہل حق اور اہل باطل کی شناخت) کے لئے بطور تمہید کے ہیں۔ اور اخیر میں ایک خط کا جواب ہے، جو اسی موضوع سے متعلق ہے، اسلئے اسے بھی شامل اشاعت کر دیا گیا۔

باری تعالیٰ ہمیں اس سے سبق لینے کی توفیق بخشیں، اور محض اپنے فضل وکرم سے صراط مستقیم پر گامزن فرمائیں۔ آمین

نوٹ: اس اشاعت میں ایک مضمون ’’مسلمانوں کے نام ایک اہم پیغام‘‘ کا اضافہ کیا گیا ہے۔

ضیاء الحق خیر آبادی

۱۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ مطابق ۵؍ مارچ ۲۰۱۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی پہلی اور جامع ترین سورہ، سورۂ فاتحہ میں، ہدایت کی راہ کی ایک عام فہم شناخت ارشاد فرمائی ہے، اور ساتھ ہی بدراہی اور گم راہی کی پہچان بھی بتادی ہے تاکہ ہر شخص کے لئے ہدایت کو پالینا سہل ہو، اور اسے اس مسئلے میں کوئی اِلتباس اور اِشتباہ نہ ہو، پھر بندوں کی مزید آسانی کے لئے اسے دعا کے پیرائے میں ڈھال دیا ہے، تاکہ بار بار اسے دہراتے رہیں اور اللہ سے سوال کرتے رہیں۔ اس سے جہاں یہ ہوگا کہ آدمی مسلسل موردِ رحمت بنا رہے گا، وہیں ہر وقت ہدایت وگمرہی کی علامت اس کے پیش نظر رہا کرے گی۔

سورہ فاتحہ میں حق تعالیٰ نے بندوں کو یہ دعا تعلیم فرمائی ہے، اور ہر نماز میں بلکہ نماز کی ہر رکعت میں اسے دہرانے کا حکم دیا ہے، اس حکم سے اس کی اہمیت اور ضرورت کا اندازہ ہوتا ہے، دعا کے الفاظ یہ ہیں، إهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ٥ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ أنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّالِّيۡن (ہم کو صراط مستقیم کی ہدایت دیجئے، ان لوگوں کے راستے کی، جن پر آپ نے انعام فرمایا، ان لوگوں کی راہ نہیں جن پر غضب کیا گیا، اور نہ ان لوگوں کی راہ جو بھٹک گئے)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ”صراط مستقیم“ کی شناخت یہ ہے کہ اس پر چلنے والے وہ لوگ ہیں، جن پر اللہ کا خاص انعام ہوا۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ان کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے: اَلَّذِيۡنَ أنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِنَ النَّبِيّيۡنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَاءِ

وَالصّٰلِحِیْنَ (سورہ نساء:۶۹) جن پر اللہ نے انعام فرمایا، وہ انبیاء ہیں، صدیقین ہیں، شہداء ہیں اور صالحین ہیں۔

انبیاء کرام **علیھم الصلوٰۃ والسلام** تو ہدایت کے امام اور صراط مستقیم پر پیش رو ہیں، صدیقین ان کے قدم بقدم پس رو ہیں، علم میں بھی اور عمل میں بھی، ان کے قلوب آفتاب نبوت کیلئے شفاف آئینے ہیں، کہ آفتاب کی روشنی کا ٹھیک ٹھیک انعکاس ان میں ہوتا ہے۔ صدیقین کے بعد شہداء ہیں، جو کمالات علمیہ میں، تو صدیقین کے درجے پر نہیں ہوتے، مگر کمالات عملیہ میں ان کا مقام بہت بلند ہوتا ہے، وہ اپنی ساری قوت اعلاء کلمۃ اللہ کی راہ میں لگا دیتے ہیں، یہاں تک کہ اسی راہ میں اپنی جان تک نچھاور کر دیتے ہیں۔ شہداء کے بعد صالحین کا تذکرہ ہے، جو استعدادِ علمی میں صدیقین تک اور جوش عمل میں شہداء تک تو نہیں پہونچتے، لیکن ان کی عمومی زندگی اطاعت و بندگی اور خلوص وللہیت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہوتی ہے، ان چاروں گروہوں کا طریقۂ عمل اور ان کے عقائد وافکار صراط مستقیم ہیں۔ صراط مستقیم محض کتاب میں تلاش کریں گے، تو اس کا ہاتھ آنا مشکل اور اس پر پاؤں جمنا مشکل تر ہے، نیکوں کی جنس سے ان چار طرح کے لوگوں کو تلاش کیجئے، کوئی نہ کوئی ضرور مل جائے گا، اللہ نے ایسا انتظام فرمایا ہے کہ پچھلے نیکوں کی تاریخ محفوظ ہے، ان کے مجموعی علوم واعمال کا مرقع تیار کیا جائے تو صراط مستقیم جگمگاتی نظر آئے گی، اور یہ بھی انتظام ہے کہ ہر دور میں، اس جنس کے حضرات موجود رہیں، کہ ان کی رہنمائی میں اہل طلب صراط مستقیم کی منزلیں طے کر سکیں۔

اللہ کا احسان ہے کہ صراط مستقیم کی تلاش کو الفاظ وحروف کی معنویت میں منحصر نہیں فرمایا، ورنہ کتنے لوگ تو ایسے ہیں، جنھیں الفاظ وحروف ہی سے آشنائی نہیں، اور جو لوگ پڑھے لکھے ہیں وہ صراط مستقیم کا مصداق ہی تلاش کرتے رہ جاتے، اب بات آسان ہے، تمہارے ہی جیسے انسانوں میں، تمہاری ہی بستی اور تمہاری ہی برادری میں، تمہارے ہی درمیان وہ لوگ چلتے پھرتے، عبادت کرتے اور حق تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے مل جائیں

گے، تم انھیں پہچانو گے، اپنے اخلاق وسیرت سے وہ خود کو پہچنوائیں گے، پس وہی صراط مستقیم پر ہیں۔ ان کے جیسے بنتے جاؤ، صراط مستقیم پر تمہارا قدم جمتا چلا جائے گا۔

حق تعالیٰ نے اپنے ان برگزیدہ بندوں کے ساتھ دو اور طرح کے بندوں کا ذکر فرمایا، جو صراط مستقیم سے ہٹے ہوئے ہیں، اور یہ دعا تلقین فرمائی کہ ان کے طور وطریق سے بچا جائے۔ ان دو گروہوں کی ایک ایک نمایاں شناخت بیان کی، اول وہ بندے جن پر خداوند تعالیٰ کا غصہ اور غضب اترا، دوسرے وہ جو سیدھی راہ سے الگ جا پڑے۔ حدیث شریف میں پہلے گروہ کا مصداق یہود کو قرار دیا گیا ہے، اور دوسرے فرقے کا مصداق نصاریٰ کو!

اہل اسلام کو ان دونوں فرقوں کے طور وطریق سے پورے طور پر اجتناب کرنا ضروری ہے، ورنہ غضب الٰہی یا گمرہی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔

اب غور کرنا چاہئے کہ آدمی غضب کا مستحق کن صفات وافعال کی وجہ سے ہوتا ہے، اور وہ صفات وافعال یہود میں کس درجہ میں موجود تھے، اور راہ سے بھٹکنا کیونکر ہے، اور عیسائیوں میں وہ باتیں کس پیمانے پر تھیں کہ وہ سیدھی راہ پر قائم نہ رہ سکے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی غلام کے مزاج میں گستاخی، بدتمیزی اور تکبر وسرکشی ہو، تو اس کا آقا اور مالک اس پر نہایت غصہ ہوگا، اور وہ غلام یقیناً اپنے آقا کے غیض وغضب کا شکار ہوگا۔ یہ بالکل فطری بات ہے کہ کوئی چھوٹا اپنے بڑے کے روبرو گستاخی اور سرکشی کرے، تو اسے سخت سے سخت سزا ملے گی۔

یہود کی تاریخ اگر دیکھی جائے، تو قرآن کی شہادت ہے کہ ابتداء سے یہ ایک گستاخ اور بدتمیز قوم رہی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس قوم کے افراد نے ایک سے بڑھ کر ایک گستاخانہ رویہ اختیار کیا، موسیٰ علیہ السلام جو ان کے حق میں نعمت الٰہی تھے، ان کے لئے نجات دہندہ تھے، یہ تکلیفوں میں مبتلا تھے، تو انھوں نے اس قوم کو سچی تسلی دی، نجات کی راہ دکھائی، مگر یہ قوم کیا جواب دیتی ہے، سننے کی بات ہے: قَالَ مُوسیٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا إِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَشَاءُ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (سورہ اعراف: ١٢٨)

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ سے مدد چاہو اور صبر کرو، زمین بلاشبہ اللہ کی ہے، جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے، اور انجام کار تو متقیوں ہی کے لئے ہے۔

اس بشارت پر قوم کا لب ولہجہ دیکھئے! قَالُوا: اُوْذِیْنَا مِنْ قَبْلِ أنْ تَاتِیَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَاجِئْتَنَا ، کہنے لگے ہم تو تمہارے آنے سے پہلے بھی مبتلائے مصیبت تھے، اور تمہارے آنے کے بعد بھی ستائے جارہے ہیں۔

اور جب انھیں فرعون سے نجات ملی، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مصر سے باہر نکلے تو ایک قوم کو دیکھا کہ وہ بتوں کی عبادت میں مصروف ہے، اس جگہ ان کی جرأت وگستاخی ملاحظہ ہو کہنے لگے: یٰمُوسَی اجْعَلْ لَنَا إلٰهاً کَمَالَهُمْ اٰلِهَة (سورہ اعراف:۱۳۸) اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایسا ہی معبود بنادیجئے، جیسے ان کے لئے ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انھیں ڈانٹا تو زبان سے خاموش ہوگئے، مگر دل میں چور رہ گیا۔ چنانچہ جب چالیس روز کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر تشریف لے گئے، تو بہت سے یہود گئو سالہ بنا کر اس کی پوجا میں لگ گئے، حضرت ہارون علیہ السلام نے سمجھانے کی کوشش کی تو ان کے قتل کے درپے ہوگئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام توریت لے کر آئے، تو انھیں جھٹلانے پر تل گئے اور کہا کہ ہم کو بھی اللہ کا کلام براہ راست سنوایئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام ستر آدمیوں کو لے کر طور پر گئے، تو ان لوگوں نے مزید گستاخی کی کہ صرف سننا ہی کافی نہیں ہے، دیدار کرایئے، اور آخر میں تو حد ہوگئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک قوم کے مقابلے میں انھیں جہاد کی دعوت دی، تو اس قوم نے صاف انکار کردیا، اور کہہ دیا کہ تم اور تمہارا رب لڑے، ہم بیٹھے رہیں گے۔ فَاذْهَبْ أنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَا إنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ (سورمائدہ:۲۴) یہ سب باتیں قرآن کریم میں موجود ہیں، ان کے علاوہ اور بھی ان کی گستاخیوں اور ایذارسانیوں کی ایک تکلیف دہ داستان ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس قوم کے مزاج میں گستاخی اور بدتمیزی راسخ تھی، حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو خطاب کیا اور فرمایا: یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ آذَوْا مُوْسیٰ فَبَرَّأَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ، وَکَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْهاً (سورہ احزاب

:) اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہونا، جنھوں نے موسیٰ کو تکلیف پہونچائی پھر اللہ نے ان کی تہمتوں سے موسیٰ کی برأت کی، اور وہ اللہ کے نزدیک باعزت تھے۔

انھیں گستاخیوں اور بدتمیزیوں کا یہ اثر تھا کہ اس قوم پر خدا کا غضب ہوا۔ **وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوْا بِغَضَبٍ مِنَ اللهِ ، ذٰلِکَ بِأَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِآيَاتِ اللهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيِّيْنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ** (سورہ بقرہ: ٦١) ان پر ذلت ومسکنت کی مہر لگادی گئی، اور وہ اللہ کے غضب میں گرفتار ہوئے، یہ اس لئے کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے، اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے، یہ اس لئے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے، اور سرکشی کرتے تھے۔

اس آیت سے یہودیوں کا مزاج آئینہ ہوگیا کہ وہ گستاخی اور سرکشی سے لبریز تھا، اور اسی بنا پر ان پر خدا کے غضب کا نزول ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہودیوں کے مزاج، ان کی طبیعت اور ان کے کرتوتوں کو تفصیل سے بیان کیا تاکہ یہ تازہ امت یعنی امت محمدیہ علیٰ صاحبها الصلوٰۃ والسلام اس مزاجی خصوصیت سے دور رہے اور رسول اللہ ﷺ نے احادیث میں یہود کی مشابہت اختیار کرنے سے بکثرت منع فرمایا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ جس غضب میں یہود گرفتار ہوئے ہیں، اہل اسلام بھی اسی میں مبتلا ہوجائیں۔

لیکن انسانی طبیعت کی کم ظرفی آخر بہت سے افراد بلکہ بہت سے فرقوں کو بے ادبوں اور گستاخوں کی صف میں لے ہی گئی، چنانچہ ہمارے دور میں اہل اسلام کے بعض فرقوں کی نمایاں خصوصیت ہی گستاخی اور بے ادبی ہے۔ اور انھیں سے متاثر ہوکر بہت سے افراد بھی یہود کی مشابہت کی دلدل میں پھنستے چلے جاتے ہیں۔

دین اسلام میں بے ادبی کی گنجائش نہیں ہے، یہ دین سراپا ادب واحترام ہے، اور اللہ کا ادب، اللہ کے رسول کا ادب، اللہ ورسول سے تعلق رکھنے والی چیزوں (شعائر اللہ) کا ادب، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: **وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ** (سورہ حج: ٣٢) جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے، تو یہ قلوب کے تقویٰ کا اثر ہے۔

ہمارے اس دور میں بے ادبیوں کا سایہ کچھ زیادہ ہی دراز ہو گیا ہے، یہ بے ادبیاں شعائر اسلامی کے ہر میدان میں پھیلی ہوئی ہیں، اسلامی علوم، علماء اسلام، مشائخ کرام، دینی کتابیں، دینی مقامات، اسلاف متقدمین بلکہ حضرات صحابہ کرام بلکہ بعض اوقات گمان ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی معصومیت تک بے ادبیوں اور گستاخیوں کا ہاتھ پہونچ جاتا ہے۔

ایک طبقہ حدیث پر عمل کا دعویٰ لے کر اٹھتا ہے، اور جو حدیثیں مرضی کے مطابق پاتا ہے، ان کا نعرہ بلند کرتا ہے، اور جو حدیثیں ان کی منشا اور مسلک کے مطابق نہیں ہوتیں، ان کی شان میں گستاخانہ کلمات کہہ کر اپنا ایمان خراب کرتا ہے، اس طبقہ نے علوم حدیث کو اس طرح تختۂ مشق بنایا ہے، کہ بالآخر نتیجہ انکار حدیث تک پہونچتا ہے، یہ لوگ حدیث کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں، جو علماء وفقہاء اور محدثین ان کی موافقت نہیں کرتے، ان کے ساتھ بے ادبی سے پیش آتے ہیں۔ یہاں تک کہ جلیل القدر صحابہ مثلاً امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ کی شان میں استخفاف کرتے ہیں، ان کے گستاخانہ مزاج کو دیکھتے ہوئے کبھی کبھی شبہ ہوتا ہے کہ ان میں یہود کا مزاج سرایت کر گیا ہے۔

ایک جماعت نے ''رسول خدا کے علاوہ کوئی تنقید سے بالاتر نہیں'' کا بظاہر بے ضرر سا متن پیش کیا، لیکن جب اس کے حواشی اور شروح تصنیف کئے گئے، اور اس کی بنیاد پر جماعت کا جو مزاج بنا، اس سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کا احترام خواہ کتنا ہی قابل احترام ہو، ختم ہو گیا، جس کو دیکھو وہی بے محابا تنقید کا دہانہ کھولے ہوئے ہے۔

مزاج کے اس بگاڑ کا یہ اثر ہے کہ نہ نمازوں کا احترام باقی رہا اور نہ مسجدوں کا، نماز جس کی اہمیت وتقدس کی وجہ سے حق تعالیٰ نے متعدد شرطیں متعین فرما رکھی ہیں، اب لوگوں نے اس کو ایک عام دنیوی عمل جیسا بنا دیا، جس لباس اور جس ہیئت میں چاہتے ہیں نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں، کوئی بنیائن ہی میں نماز پڑھ رہا ہے، کوئی ننگے سر ہے، بال الجھے ہوئے، بے تکے اور غیر شرعی بکھرے ہوئے، پتلون ایسا جیسے مادرزاد ننگے ہوں، سارا ادب

واحترام رخصت، عجیب حال ہوگیا ہے، ٹوکتے ہیں تو کہتے ہیں کیا نماز نہیں ہوگی۔ ان سے پوچھئے کہ پھوہڑپن کب اچھی چیز ہے، بے ادبی اور بے سلیقہ پن کو کس نے اچھا کہا ہے۔ آخر انسانی تہذیب وشرافت بھی کوئی چیز ہے؟

مسجدیں جن کے بارے میں قرآن پاک میں ارشاد ہے: فِـيْ بُيُـوْتٍ أَذِنَ اللّٰهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ (سورہ نور:) ان گھروں میں جن کو بلند کرنے کا اور وہاں اس کا نام پڑھنے کا خدا نے حکم دیا۔

یعنی مسجدوں کی تعظیم وتوقیر کا حکم دیا ہے، یہ مسجدیں جن کی تعظیم وتوقیر کا خدا نے حکم دیا ہے، ہمارے زمانے میں بے ادبیوں اور بے احترامیوں کے نرغے میں ہیں، اس میں لوگ اس طرح آتے جاتے، اور ان کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے ہیں، جیسے کوئی عام گھر ہو۔ باہر سے بھی اندر سے بھی۔ باہر سے تو یہ کہ مسجد کے باہر کافر ہی نہیں مسلمان بھی بے فکری سے لہو ولعب اور گانے بجانے میں مصروف رہتے ہیں۔ کبھی مسجد کے قریب کھیل کود اور مقابلے منعقد کئے جاتے ہیں، نماز کے اوقات آتے ہیں، اذانیں ہوتی ہیں، جماعت ہوتی ہے، مگر شور وشغب میں مبتلا لوگوں کے کان پر جوں بھی نہیں رینگتی، ہاں پیشاب کرنا ہو تو مسجد کے احاطے میں گھس کر اس کے استنجا خانے بے تکلف استعمال کرتے ہیں، اور مسجد کے اندر یہ کہ نمازی نماز کے لئے آتے ہیں، تو مسجد میں اس طرح بے تکلف باتیں کرتے ہیں، بحث ومباحثہ کرتے ہیں، کبھی اس طرح کھاتے پیتے اور سوتے ہیں جیسے یہ عبادت خانہ نہ ہو، مہمان خانہ ہو۔

یہ بے ادبیاں اور بے احترامیاں کس قدر مہلک ہیں، اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا، مسلمانوں میں اس طرح کا مزاج جو بنتا جارہا ہے، یہ اسلامی مزاج نہیں ہے، یہ ذہنیت یہود والی ذہنیت ہے، اس ذہنیت کا اثر یہ ہے کہ آدمی اپنے ہی کو اہم سمجھتا ہے، اپنے علاوہ کسی کی عظمت اور اہمیت تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں۔ آج جن لوگوں نے علم کا نام کچھ اپنے ساتھ لگالیا ہے ان کا حال یہ ہے کہ اسلاف کے ناموں کو بدنام کرنے یا مٹانے پر تلے ہوئے ہیں، کوئی

ابوحنیفہ کو برا بھلا کہہ رہا ہے، کوئی تمام فقہاء کو بیوقوف سمجھ رہا ہے، کوئی محدثین کو جھوٹا کہہ رہا ہے، ایک طوفانِ بدتمیزی ہے، جو پھیلتا جا رہا ہے، کچھ لوگ کمانے اور دولت حاصل کرنے کے لئے عرب ممالک جاتے ہیں اور ساری شرافت وانسانیت وہیں رکھ کر چلے آتے ہیں، اور چند جاہلوں، یا عالم نما جاہلوں کی اندھا دھند تقریریں سن کر یہاں آتے ہیں، اور ایک طرف سے علماء کو گمراہ قرار دینے لگتے ہیں، اور کوئی معقول بات کہی جائے، تو سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے، یہ لوگ دینداروں، اور نماز روزہ کے پابند لوگوں کو پریشان کرتے ہیں، کہ تمہاری نمازیں نہیں ہوتیں، تم غلط راہ پر ہو، تمہارے علماء بھی غلط راہ پر ہیں، حالانکہ یہ خود گمراہی کا شکار ہو چکے ہوتے ہیں۔ اس گستاخانہ مزاج سے امت مسلمہ کے سیدھے سادے اور باعمل افراد سخت پریشان ہیں۔

اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت نصیب فرمائیں۔ اہل اسلام ایسے فتنہ پرور افراد اور جماعتوں سے ہوشیار رہیں اور ان سے دور ہی رہیں، اور دین کے احکام پر مضبوطی سے عمل پیرا رہیں۔ اور اپنے آپ کو گستاخانہ مزاج سے بچائیں۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَا الضَّالِّیْنَ

گزشتہ صفحات میں ان لوگوں کا تذکرہ کیا گیا تھا، جن کے طور وطریق سے بچنے کی اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی ہے، ان کو اجمالاً اللہ تعالیٰ نے دو عنوانوں کے تحت بیان کیا ہے، اول **المغضوب علیھم**، جن پر خدا کا غضب نازل ہوا، اس فرقہ کی قدرے تشریح اور اس کا تعارف پچھلے شمارے میں لکھا گیا، دوسرا گروہ جس سے دور رہنے اور بچنے کی ہدایت کی گئی، اور اس کی دعا تلقین کی گئی ہے اس کا عنوان ہے **الضالین**، ضالین کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے راہ گم کر دی ہے، غلط راہوں پر جا نکلے ہیں، ایسی راہ جو منزل تک نہیں پہونچتی، پہلا گروہ گستاخوں اور بدتمیزوں کا ہے، گستاخی اور بدتمیزی کی وجہ سے موردِ غضب بنا، دوسرا گروہ قرآن کے اشارے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصالۃً یہ مذموم خصلت نہیں رکھتا، بلکہ کسی اور جذبہ سے متاثر ہو کر صحیح راہ سے بھٹک گیا ہے، احادیث نبوی میں اس گروہ کا مصداق نصاریٰ کو قرار دیا گیا ہے۔

ہم نے یہود کی مزاجی خصوصیات کو دیکھا، تو وہ گستاخی، بے ادبی، سرکشی اور طغیان تھی، اور اسی وجہ سے وہ مستحق غضب ولعنت ہوئے۔ آج کی مجلس میں ہم غور کریں گے کہ عیسائیوں کے مزاجی وطبعی امتیازات کیا ہیں، جن کی وجہ سے وہ ضالین کہلائے۔

قرآن کریم میں حق تعالیٰ نے ان کی جو خاص بات بیان فرمائی ہے، وہ یہ ہے کہ انھیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی محبت وعقیدت میں غلو تھا، اور اسی غلو کی وجہ سے انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حلقۂ عبدیت سے نکال کر دائرۂ الوہیت میں پہونچا دیا یعنی وہ اپنے اس غلو کی وجہ سے اس پر راضی نہیں ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بشر اور اللہ کا بندہ قرار دیں، وہ انھیں یا تو

اللہ کہتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ ہی بشکل عیسیٰ دنیا میں تشریف لائے تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ (سورۂ مائدہ: ۱۷) بلاشبہ ان لوگوں نے کفر کیا جنھوں نے کہا کہ اللہ وہ مسیح بن مریم ہی تو ہیں، اس گروہ نے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عین خدا ہی مان لیا۔ دوسرا فرقہ وہ ہے جو اللہ کو تین حقیقتوں کا مجموعہ مانتا ہے، جنھیں وہ اپنی خاص اصطلاح میں تین اُقنُوم کہتا ہے، باپ، بیٹا اور روح القدس، باپ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ ہیں، بیٹا حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، روح القدس حضرت جبرئیل علیہ السلام۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ (سورۂ مائدہ: ۷۳) ان لوگوں نے کفر کیا، جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تین میں سے ایک ہے۔

اس قوم نے براہ راست کوئی گستاخی اور سرکشی نہیں کی، بلکہ انھیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی محبت وعقیدت میں اتنا غلو ہوا، کہ انھیں اللہ یا اللہ کا بیٹا قرار دے ڈالا، اس غلو کا تذکرہ حق تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: قُلْ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا (سورۂ مائدہ: ۷۷) اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو، اور ان لوگوں کے خواہشات ونظریات کی پیروی نہ کرو جو اس سے پہلے گم کردہ راہ ہوئے، اور بہتوں کو بھی راہ سے بھٹکا دیا۔

جن اہل کتاب سے یہاں تخاطب ہے، وہ عیسائی ہیں، انھیں دین میں غلو کرنے سے منع کیا گیا ہے، غلو کے معنی حد سے نکل جانے کے ہیں، دین میں غلو کا مطلب یہ ہے کہ اعتقاد وعمل میں دین نے جو حدود مقرر کئے ہیں، ان سے آگے بڑھ جایا جائے، مثلاً انبیاء کی تعظیم کی حد یہ ہے کہ انھیں تمام کائنات میں سب مخلوقِ خدا سے افضل مانا جائے، اس حد سے آگے بڑھ کر انھیں خدائی اختیارات کا مالک یا خدا کا بیٹا کہہ دینا غلو ہے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَا اَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقَاهَا اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلَاثَةٌ اِنْتَهُوْا خَيْرًا

لَكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَاحِدٌ سُبْحَانَهُ اَنْ يَكُوْنَ لَهُ وَلَدٌ لَهُ مَا فِيْ السَّمَاوَاتِ وَمَا فِيْ الْاَرْضِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا (سورہ نساء:۱۷۱) اے اہل کتاب (یعنی انجیل والو!) تم اپنے دین میں حد سے مت نکلو اور خدا کی شان میں غلط بات مت کہو، مسیح ابن مریم اور کچھ نہیں، البتہ اللہ کے رسول، اور اللہ تعالیٰ کے کلمہ ہیں، جس کو اللہ نے مریم تک پہونچایا، اور اللہ کی طرف سے ایک روح ہیں، پس اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ، اور مت کہو کہ خدا تین ہے، اس بات کو چھوڑو، تمہارے لئے بہتر ہوگا، اللہ ہی اکیلا معبود ہے، اس کے لائق نہیں ہے کہ اس کے اولاد ہو، اسی کا ہے، جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے، اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ کافی کارساز ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ محبت واعتقاد اور تعظیم واحترام میں غلو کرنے سے آدمی راہِ ہدایت سے بھٹک جاتا ہے۔ محبت وتعظیم بذات خود کوئی بری چیز نہیں ہے، مگر اس میں حدود سے آگے بڑھ جانا باعث ضلالت ہے، جس طرح گستاخی اور سرکشی باعث غضب خداوندی ہے، غور کیجئے تو یہی دونوں چیزیں، انسانیت کو برباد کرنے والی ہیں، کسی کے حق کی تنقیص، جسے تفریط کہئے، بے ادبی وگستاخی کہئے، یا پھر کسی کے حق میں مقررہ حد سے بڑھ جانا، جسے افراط کہئے، غلو کہئے، اول الذکر یہود کا مزاج ومشغلہ ہے، اور آخر الذکر عیسائیوں کی گمراہی ہے، حق تعالیٰ نے دونوں سے بچنے کی ہدایت فرمائی ہے، اول **المغضوب علیھم** ہیں، دوسرے **الضالین** ہیں۔

لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ اس امت کے بہت سے افراد ان دونوں گروہوں کے پیچھے چلے، اور خطرے میں پڑے، رسول اللہ ﷺ نے اس خطرے سے پہلے ہی آگاہ فرمادیا تھا، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: **لتتبعن سنن من كان قبلكم شبراً بشبرٍ وذراعاً بذراعٍ حتىٰ لو دخلوا جحر ضبٍ تبعتموهم قيل يا رسول الله اليهود والنصارىٰ قال فمن ؟ متفق عليه ۔ وعند الترمذى : عن عبد الله بن عمرو حتىٰ ان كان منهم من أتىٰ أمه علانيةً لكان فى أمتى**

من یصنع ذٰلک

تم بھی ٹھیک پہلی امتوں کے نقش قدم پر چل کر رہو گے، حتیٰ کہ اگر وہ گوہ کے سوراخ میں گھسے تو تم بھی گھس کر رہو گے، عرض کیا گیا یا رسول اللہ! پہلی امتوں کے مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟ فرمایا اور کون؟ یہ روایت بخاری و مسلم میں ہے۔ اور ترمذی میں حضرت عبد اللہ بن عمرو ؓ سے مروی ہے کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں سے علانیہ بدکاری کی ہوگی، تو میری امت میں بھی اس قماش کے لوگ ہوں گے۔

رسول اللہ ﷺ کی اس پیشن گوئی کی صداقت ہم حرف بحرف دیکھ رہے ہیں، اس امت میں کچھ ایسے لوگ ہیں، جو یہود کے نقش قدم پر چل کر غضب خداوندی کو دعوت دے رہے ہیں۔ **یا لیت ھم یعلمون**

اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں، جو نصاریٰ کی راہ پر چل رہے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں، جو نبی کریم ﷺ کی عظمت و عقیدت کے جو شرعی اور واقعی حدود ہیں ان پر راضی نہیں ہیں، آپ کو الوہیت کے مرتبہ تک پہونچاتے ہیں، عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ ؑ کو اللہ کہا، اور اس کا عجیب و غریب فلسفہ تراشا، تو اس قوم نے بھی اسی سے ملتا جلتا نعرہ لگایا۔ اور ایک نا قابل فہم فلسفہ اس کے لئے گھڑا۔ آسیؔ غازی پوری کا شعر ہے۔

وہی جو مستوی عرش ہے خدا ہو کر
اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفیٰ ہو کر

اس کی دور دراز تاویل کی جائے، تو ظاہری معنی سے بچا جا سکتا ہے، لیکن کتنے ہیں، جو اس تاویل بعید کا ادراک رکھتے ہیں، عقیدہ میں غلو رکھنے والے تو اس کے ظاہری معنی پر عقیدہ رکھتے ہیں، اور راستے سے بھٹک جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ پورا ایک فرقہ ہے، جو رسول اللہ ﷺ کی محبت و تعظیم میں اس درجہ غلو رکھتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ کو بھی عالم الغیب، حاضر و ناظر، مختار کل قرار دیتا ہے، آپ کی بشریت سے انکار کرتا ہے، اور صرف رسول اللہ ﷺ تک نہیں، آپ کے سچے متبعین حضرات اولیاء رحمہم اللہ کی محبت کے غلو میں یہ فرقہ بہت دور تک چلا گیا ہے،

سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی، سیدنا خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ نظام الدین محبوبِ الٰہی، سید سالار مسعود غازی، سید جہانگیر اشرف سمنانی اور دوسرے مشائخ واولیاء کے حق میں جو غالی عقیدت مندی پائی جاتی ہے، وہ کسی پڑھے لکھے مسلمان پر مخفی نہیں، اسی عقیدت مندی کا اثر ہے کہ ان بزرگوں کے مزارات پر ہر وہ عمل روا رکھا جاتا ہے، جو مشرکین اپنے بتوں اور مورتیوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ اس فرقہ نے امت مسلمہ کو صحیح راستے سے بہت دور پہونچادیا، اور جو کوئی ان کے ان تعظیمی رسوم واعمال میں ان کا ساتھ نہیں دیتا، جھٹ اس پر وہابی ہونے کا فتویٰ لگا کر دائرۂ اسلام سے خارج کر دیتے ہیں۔

ہندوستان، پاکستان اور بعض عرب ممالک میں انکے اثرات بہت وسیع اور گہرے ہیں، امت مسلمہ کا ایک خاصا حصہ ان دونوں گروہوں **المغضوب علیھم** اور **الضالین** کے درمیان ہچکولے کھا رہا ہے، پہلے گروہ نے انبیاء واولیاء کو ان کے واجبی حقوق واحترام دینے سے گریز کیا، اور دوسرے گروہ نے انھیں حدود سے بڑھادیا۔ ایک فرقہ تفریط میں بگڑا، اور دوسرا فرقہ افراط میں بھٹکا۔ نہ یہ اعتدال پر نہ وہ اعتدال پر! **امةً وسطاً** ہونے سے دونوں کو گریز ہے!

اعتدال کی راہ یہ ہے کہ ہر ایک کا جو واقعی حق ہے، اسے اس کیلئے مسلم رکھا جائے۔ نہ کسی نبی، ولی، عالم اور بزرگ کی شان میں گستاخی کی جائے، نہ شعائر اللہ کی تعظیم میں کوتاہی کی جائے، ہر ایک کا احترام کیا جائے، سنت نبوی کی ٹھیک ٹھیک پیروی کی جائے۔ شریعت میں آیات محکمات اور سنن بینات نے جو راستہ متعین کر دیا ہے، اور جس پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اسلاف امت چلے ہیں، اس سے ذرا بھی انحراف نہ کیا جائے۔

اور پھر کسی کی عقیدت مندی وتعظیم میں اتنی افراط نہ کی جائے کہ انھیں خدا کے مقام تک پہونچادیا جائے۔ نبی کو خدا، ولی کو نبی کے درجے میں نہ رکھا جائے۔ یہ راہِ اعتدال ہے۔ اور اسی بنا پر یہ امت، امت وسط ہے۔

أقول قولی هٰذا وأستغفر الله لی ولسائر المسلمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اہل حق اور اہل باطل کی شناخت

صاحب مشکوٰۃ المصابیح نے **باب الاعتصام بالکتاب والسنة** میں امام احمد، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کا ایک ارشاد نقل کیا ہے، اس کے راوی حضرت ابوامامہ ؓ ہیں، فرمایا: **ماضل قوم بعد هدى كانوا عليه إلا اوتوا الجدل۔**

جب بھی کوئی قوم ہدایت پر ہونے کے بعد گمراہ ہوتی ہے، تو اس کا نصیبہ نزاع اور جھگڑا ہوتا ہے۔

ہدایت پر ہونا، اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کا عظیم ترین احسان ہے، اور مزید احسان یہ ہوتا ہے کہ آدمی اس پر ثابت قدم رہے، جب ہدایت پر استقامت نصیب ہوتی ہے، تو آدمی قرب خداوندی کے درجات میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے، اور اسے مسلسل عالم غیب سے بشارت ملتی رہتی ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلآئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (سورہ حم سجدہ :۳۰)

بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر اسی پر استقامت اختیار کی، ان پر فرشتے لگاتار اترتے ہیں کہ نہ خوف کرو، اور نہ رنجیدہ ہو، اور جنت کی خوش خبری لو، جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان ہدایت پا تو جاتا ہے، مگر اس پر ثابت قدم نہیں رہ پاتا، بلکہ پھسل جاتا ہے اور پھر پھسلتا ہی چلا جاتا ہے۔ مذکورہ حدیث میں گمراہی میں گرنے کی

علت بیان کی گئی ہے اور یہ علت ایسی ہے کہ گمراہی کا شکار ہونے کے بعد لازم حال بنی رہتی ہے۔ گویا اسی علت کی وجہ سے ہدایت سلب ہوئی، اور اسی سے حرماں نصیبی پیدا ہوئی، اور پھر وہی اس کا مزاج و مذاق بن کر رہ گئی۔

وہ علت ہے ''جدال ونزاع'' دین کے اندر نقطۂ اتفاق تلاش کرنے کے بجائے، اختلاف وشقاق کا مزاج بن جانا۔ کتنے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی طبیعت نئی نئی راہوں کی تلاش میں رہتی ہے، ان کے سامنے کوئی بات آتی ہے، تو اس پر شکوک وشبہات اور اعتراض واشکال کی یلغار شروع ہوجاتی ہے، جب طبیعت اور مزاج کی یہ کیفیت ہوجاتی ہے، تو آدمی ہدایت سے برکنار ہوکر گمراہی میں جا گرتا ہے، پھر اس کا مزاج اختلاف ونزاع میں مزید شدت پیدا کرتا رہتا ہے۔

ہمارے گردوپیش میں دین اسلام کے ماننے والوں نے اللہ جانے کتنی ٹکڑیاں بنا رکھی ہیں، اور ہر ٹکڑی کو دعویٰ ہے کہ وہ راہِ حق پر ہے، اور دوسرے لوگ غلط راہ پر ہیں، لوگ پوچھتے ہیں کہ اگر سب حق پر ہیں تو ان میں اتنا اختلاف ونزاع کیوں ہے؟ اور اگر ان میں کوئی ایک حق پر ہے، تو اس کا معیار اور اس کی شناخت کیا ہے؟

اس معیار اور اس شناخت کے سلسلے میں دو حدیثیں اگر پیش نظر رہیں، تو مسئلہ بہت صاف ہے۔ ایک تو وہی حدیث جس کا اوپر ذکر ہوا یعنی: **ماضل قوم بعد هدى كانوا عليه إلا اوتوا الجدل**۔

جو لوگ راہِ حق سے بھٹک گئے، ان کی خاص علامت یہ ہے کہ ان کے مزاج میں ضد، ہٹ دھرمی، اختلاف کا جذبہ، خود آپس میں سخت کشمکش کے مظاہرے بکثرت ہوں گے، یہ لوگ ہر مسئلے میں وہی راہ تلاش کرتے ہیں اور پسند کرتے ہیں، جس میں نزاع اور کشمکش ہو، وہ مسائل جن پر سب کا اتفاق ہو، ان کی طرف التفات نہیں کرتے، انکی شناخت یہی اختلافی مسائل ہوتے ہیں۔

ہمارے درمیان متعدد ایسے گروہ ہیں، جن کی زندگی اور بقاء کا مدار اختلافی مسائل

پر ہے، یہ لوگ فروعی اختلافات کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ اصول وعقائد بھی ان کے سامنے ماند پڑ جاتے ہیں، نماز فرض ہے، ہر عاقل بالغ مسلمان پر ضروری ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، مگر اس مسئلہ کی اہمیت نہیں ہے، اور نہ اس کی تبلیغ وتاکید ہے، ہاں اگر کوئی نماز پڑھنے لگ جائے، تو کچھ لوگ یہ ضرور تلاش کریں گے کہ رفع یدین کرتا ہے یا نہیں؟ آمین بالجہر پر عامل ہے یا نہیں؟ پھر اگر وہ حنفی طریقے پر نماز پڑھتا ہے، تو اس سے کہتے ہیں کہ تمہاری نماز خلاف سنت ہے، تمہاری نماز نہیں ہوتی، حنفی گمراہ ہیں، یہ لوگ اپنے طرزِ عمل سے کسی کو نمازی تو بنا نہیں پاتے ہیں، ہاں نماز پڑھنے والے کو مشکل میں ڈال دیتے ہیں، پھر یہ نہیں کہ اس طرح کے لوگ صرف دوسروں ہی سے جھگڑتے ہیں، جب انھیں لڑنے کا جوش اٹھتا ہے اور مدمقابل کوئی نہیں مل پاتا، تو آپس میں ہی گتھم گتھا ہونے لگتے ہیں، اس کا تماشہ دیکھنا ہو تو ان لوگوں کی وہ تحریریں پڑھئے، جو اپنی ہی جماعت کے لوگوں کے خلاف انھوں نے تصنیف کر رکھی ہیں، ان کا خاص ذوق یہی ہے کہ ہر ایک سے الجھتے رہیں، یہ نام تو احیاءِ سنت کا لیتے ہیں، مگر حقیقۃً اس سے کچھ سروکار نہیں، انتشار پھیلانا ان کا خاص مشغلہ ہے۔

اسی طرح ایک فرقہ اور ہے، جو نعرہ لگاتا ہے کہ اہل سنت والجماعت بلاشرکت غیرے وہی ہے، مگر اس کی بھی ساری دلچسپی ''بدعات'' سے ہے، عقیدے میں بھی بدعت، عمل میں بھی بدعت، قول میں بھی بدعت، پھر ان بدعتوں پر اتنا جمود واصرار کہ جو لوگ ان بدعات سے محترز ہیں، وہ صرف اہل سنت والجماعت سے ہی خارج نہیں ہیں، بلکہ دائرۂ اسلام ہی سے باہر ہیں۔ یہ بڑا جنگجو اور ہٹ دھرم فرقہ ہے، اس کا سارا سرمایہ جدل وکشمکش ہی ہے، یہ فرقہ جہاں بھی ہے، جنگ وجدل کا بازار گرم رکھتا ہے، کیونکہ صلح واعتدال اس کی موت ہے، اور نزاع وجدال میں اس کی زندگی ہے۔

غرض یہ کہ جس کو حق وہدایت سے جتنا انحراف ہے، اسی کے بقدر اس کے مزاج وطبیعت میں ضد وعناد اور جدل ونزاع موجود ہے، یہ لوگ دین کے بنیادی احکام وفرائض کا اہتمام نہیں کرتے، لیکن دوسری غیر اہم چیزوں کو اتنا بلند کرتے ہیں جیسے دین کا انحصار انھیں

چیزوں میں ہو۔

اہل ہدایت کا مزاج اور ان کا انداز طبیعت دوسرا ہوتا ہے، وہ ہدایت کی راہ پر جماؤ اور ثبات قدمی، دوسرے لفظوں میں استقامت ضرور رکھتے ہیں، لیکن جدل ونزاع سے وہ بہت دور رہتے ہیں، ان کا مزاج وہ ہوتا ہے، جو قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے: الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلٰی الْاَرْضِ ھَوْنًا وَاِذَا خَاطَبَھُمُ الْجَاھِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا ○ وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّھِمْ سُجَّدًا وَقِیَامًا ○ وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَھَنَّمَ اِنَّ عَذَابَھَا کَانَ غَرَامًا ○ (سورۃ الفرقان: ۶۳، ۶۴، ۶۵) ان آیات کا حاصل یہ ہے کہ ان کے مزاج میں تواضع اور مسکنت ہوتی ہے، جس کا ظہور ان کی چال ڈھال سے بھی ہوتا ہے اور معاملات سے بھی ہوتا ہے، ان سے اگر کوئی جہالت کی بات کرتا ہے، تو وہ سلامتی اور خیر کی بات کرتے ہیں، اور ان کی عبادات کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ راتیں رکوع وسجود میں بسر کرتے ہیں، مگر قلب کا حال یہ ہوتا ہے کہ ذرا بھی ناز اور اِتراہٹ نہیں ہوتی، بلکہ رات بھر رکوع وسجود کے بعد آخر شب میں ان کے دل کی تواضع اور مسکنت کا ظہور اس طرح ہوتا ہے کہ وہ جہنم کے عذاب سے پناہ مانگتے ہیں، وہ دعووں اور بلند وبانگ بولوں سے برکنار ہوتے ہیں، وہ عبادت بہت کرتے ہیں، مگر ساتھ ساتھ ڈرتے رہتے ہیں ان لوگوں کی طرح نہیں، جو کرتے تو کچھ نہیں یا بہت کم کرتے ہیں، مگر دعوے اور پروپیگنڈے بہت کرتے ہیں۔ ان کے مزاج کا حال ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے: وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَقُلُوْبُھُمْ وَجِلَۃٌ اَنَّھُمْ اِلٰی رَبِّھِمْ رَاجِعُوْنَ (سورۃ المومنون: ۶۰) اور وہ لوگ جو دیتے ہیں، جو کچھ کہ دیتے ہیں، اور ان کے دل ڈرتے ہیں کہ اپنے رب کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

یہ لوگ نیک کام کرکے نہ اتراتے ہیں اور نہ شہرت چاہتے ہیں، بلکہ ڈرتے رہتے ہیں کہ دیکھئے اللہ کے یہاں کیا ہوتا ہے، حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یہ کام کرکے ڈرنے والے لوگ وہ ہیں جو شراب پیتے ہیں یا چوری کرتے ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے صدیق کی بیٹی! یہ بات نہیں، بلکہ یہ وہ لوگ ہیں

جو روزے رکھتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں اور صدقات دیتے ہیں، اس کے بعد ڈرتے رہتے ہیں کہ شاید ہمارے یہ عمل اللہ کے نزدیک (ہماری کسی کوتاہی کے سبب) قبول نہ ہوں، ایسے ہی لوگ نیک کاموں میں سبقت کرتے ہیں (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

اس کے برعکس وہ لوگ جو ہدایت سے منحرف ہیں، ان کے مزاج کا حال بھی قرآن ہی سے سن لیجئے، **لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَا اَتَوْا وَیُحِبُّوْنَ اَنْ یُحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّھُمْ بِمَفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ** (سورہ آل عمران: ۱۸۸) جو لوگ ایسے ہیں جو اپنے کئے ہوئے پر خوش ہوتے ہیں (اور اتراتے ہیں) اور جو کام نہیں کیا ہے اس پر (بھی) تعریف چاہتے ہیں، ایسے لوگوں کے بارے میں یہ ہرگز خیال نہ کرو کہ وہ عذاب سے بچاؤ میں رہیں گے، ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

اپنی نیکیوں پر اترانے والے، اور ناکردہ اعمال پر چاہنے والے، سمجھا جاسکتا ہے کہ کس روگ میں مبتلا ہیں۔

اصحاب ہدایت کے مزاج وطبیعت کے بارے میں حق تعالیٰ کا ایک اور ارشاد ملاحظہ فرمایئے، اور اس کے بالمقابل ان کو بھی دیکھئے، جو ہدایت سے بھٹکے ہوئے ہیں، حالانکہ وہ ہدایت کی راہ دیکھ چکے ہیں۔ ارشاد ہے: **وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ وَمَنْ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ** (سورہ آل عمران: ۱۳۵) اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ وہ جب کبھی کوئی برا کام کر بیٹھتے ہیں، یا اپنی جانوں پر کوئی ظلم کر گزرتے ہیں، تو فوراً اللہ کی عظمت وجلال کو یاد کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی اور بخشش چاہتے ہیں کیونکہ ان کو خوب معلوم ہے کہ کون ہے جو اللہ کے سوا گناہوں کو معاف کر سکے، اور جو گناہ ان سے صادر ہو جاتا ہے، جان بوجھ کر اس پر اصرار نہیں کرتے۔

یہ ان لوگوں کا حال اور مزاج ہے، جو ہدایت کی راہ پر ہیں، جو اہل تقویٰ ہیں، انھیں جب اپنی غلطی اور جرم کا علم ہو جاتا ہے خواہ از خود، خواہ کسی کے بتانے سے، تو وہ اس پر

بضد نہیں ہوتے، بلکہ نادم اور شرمسار ہو کر اس سے الگ ہو جاتے ہیں۔

اس کے برخلاف ان لوگوں کے حال اور مزاج کی کیفیت دیکھئے، جو ہدایت پا جانے کے بعد اس سے بھٹک جاتے ہیں۔ ایک منافق جو دعویٰ ایمان رکھتا ہے، مگر ایمان کے بعد وہ کفر میں جا گرا، اس کے مزاج کو اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں: **وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ** (سورۃ البقرۃ:۲۰۶) اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو، تو نخوت اور بڑائی اسے اور زیادہ گناہ پر آمادہ کر دیتی ہے، تو اس کو جہنم ہی کفایت کرے گی، اور وہ بہت برا فرش ہے۔

طبیعتوں اور مزاجوں کا یہ فرق دیکھ لیا جائے، ہدایت کی راہ وہ ہے کہ آدمی خدا سے ڈرنے والا، متواضع اور نرم دل ہوتا ہے، حق کو قبول کرنے کے لئے ہمہ وقت آمادہ رہتا ہے، اور جو ہدایت کی راہ سے بھٹک گیا، اس کی طبیعت ضد، عناد، تکبر اور سرکشی سے لبریز ہوتی ہے، ایسے لوگوں کو حق وصداقت کا علم بھی ہو جاتا ہے، اس کا یقین بھی حاصل ہوتا ہے، مگر محض تکبر اور ظلم وعناد کی وجہ سے انکار کئے چلے جاتے ہیں، **فَلَمَّا جَآئَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ** (سورۃ النمل:۱۳/۱۴) پھر جب ان کے پاس ہماری نشانیاں سمجھانے کے لئے پہونچیں تو بولے یہ صریح جادو ہے، اور انھوں نے انکار کیا، حالانکہ ان کے دلوں کو یقین ہو چکا تھا، ظلم اور غرور کی وجہ سے، پس دیکھ لو خرابی کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا۔

انسان پر جب گمراہی مسلط ہوتی ہے، تو بے انصافی اور غرور وتکبر کی وجہ سے جان بوجھ کر اپنے ضمیر کے خلاف حق کی تکذیب اور سچائی کا انکار کرتا ہے۔

تو تقویٰ اور ہدایت کا رنگ دیکھنا ہو تو امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا حال دیکھئے کہ کسی نے ان سے کہا اتق اللہ ۔ اللہ سے ڈرو، حضرت عمر نے فوراً تواضع سے اپنا رُخسار زمین پر رکھ دیا۔

ہارون رشید کا واقعہ ہے ایک یہودی نے اپنی کسی ضرورت کی فریاد کے سلسلے میں

انھیں مخاطب کرتے ہوئے کہا: **اتق اللّٰہ یا امیر المومنین** ، امیر المومنین اللہ سے ڈرو، ہارون رشید یہ سنتے ہی سواری سے اتر پڑے اور وہیں زمین پر سجدہ کیا، اور پھر حکم دیا کہ اس کی حاجت پوری کی جائے، چنانچہ اسی وقت اس کا کام کردیا گیا، کسی نے کہا امیر المومنین آپ ایک یہودی کے کہنے سے فوراً زمین پر اتر پڑے، فرمایا کہ یہودی کے کہنے کی وجہ سے نہیں اترا بلکہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد یاد آیا: **وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ** (معارف القرآن ادریسی، ج:۱، ص:۳۹۹، بحوالہ تفسیر قرطبی، ج:۲، ص:۱۹) اس لئے سواری سے اترا اور سجدہ کیا۔

اہل حق اور اہل باطل کی یہ ایک اہم اور خاص شناخت ہے، اور اس کا پہچاننا اور پرکھنا کچھ مشکل نہیں ہے، ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے ادراک وتمیز کا وہ عنصر بخشا ہے، جس سے افراد واقوام کے مزاجوں کو پرکھ سکتا ہے، اگر نفسانی یا خارجی اثرات سے آدمی اپنے علم وادراک اور اپنے ضمیر کو دبا نہ دے تو وہ اہل حق اور اہل باطل کو بخوبی پہچان سکتا ہے۔

ہم نے عرض کیا تھا کہ دو حدیثیں حق وباطل کی شناخت کے لئے بہترین معیار ہیں۔ ایک حدیث کا مختصراً بیان ہوا۔

اس سلسلے کی دوسری حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اسے نقل کرنے والے امام ترمذیؒ ہیں، اور یہ حدیث علماء امت کے درمیان بہت معروف ومشہور ہے۔ فرماتے ہیں: **لیاتین علیٰ امتی کماأتیٰ علیٰ بنی اسرائیل حذو النعل بالنعل حتی ان کان منهم من أتیٰ أمه علانية لكان فی أمتی من يصنع ذٰلک وإن بنی اسرائيل تفرقت ثنتين وسبعين ملةً وتفترق أمتی علیٰ ثلاث وسبعين ملةً كلهم فی النار إلا ملةً واحدةً قالوا من هی يارسول اللّٰه قال! ماأنا عليه وأصحابی** ، میری امت پر بھی وہی دور آئے گا، جو بنی اسرائیل پر آچکا ہے، ٹھیک اسی طرح جیسے جوتا، جوتے کے برابر ہوتا ہے، یہاں تک کہ اگر بنی اسرائیل کا کوئی آدمی اپنی ماں سے علانیہ بدکاری کئے ہوگا، تو میری امت میں بھی کوئی ہوگا جو ایسا کرے گا،

اور بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے تھے، میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے، وہ سب جہنم میں ہوں گے، بجز ایک کے، صحابہ نے دریافت کیا وہ کون لوگ ہوں گے، فرمایا کہ جو میرے اور میرے اصحاب کے طریقے پر ہوں گے۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حق وہدایت اور نجاتِ اُخروی کی راہ بھی بتائی ہے، اور اہل حق کی ایک واضح علامت بھی بتائی ہے، نیز اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امت جب تک رسول اللہ ﷺ کے اصحاب پر مشتمل تھی، تب تک اس میں کوئی فرقہ نہیں تھا، کوئی افتراق نہیں تھا۔ تمام صحابہ ملت واحدہ ہیں، اور سب نجات یافتہ ہیں، بلکہ نجات کے لئے معیار ہیں، یہ تقسیم وافتراق کا قصہ صحابہ کے بعد شروع ہوگا کیونکہ آپ نے اپنے اور صحابہ کے طریقے کو جماعت حقہ ناجیہ کے لئے معیار قرار دیا ہے، پس حضرات صحابہ تمام تر اہل حق اور نجات یافتہ ہیں، اور ان کے بعد جو لوگ آئیں گے وہ مختلف ملتوں میں تقسیم ہوں گے، اور یہ تقسیم ہونے والے ہدایت سے منحرف ہوکر گمراہی کے راستوں پر چل پڑیں گے، یوں کہہ لیجئے کہ پوری امت ہدایت پر ہوگی، پھر کچھ لوگ اس سے کٹ کٹا کر بدعت وضلالت کی راہوں میں نکل جائیں گے، اس کٹنے اور چھٹنے سے جو لوگ بچ جائیں گے، وہ وہی ہوں گے جن کے قدم رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے طریقے پر اُستوار رہوں گے۔

اس حدیث پر غور کرنے سے یہ بات بھی منکشف ہوتی ہے کہ دین اسلام کے عقائد واحکام، معاملات ومعاشرات اور اخلاق واوصاف کا مجموعہ حق وہدایت ہے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ يَـاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَافَّةً (سورۃ البقرۃ:۲۰۸) اے ایمان والو! اسلام میں پورے طور پر داخل ہوجاؤ، یعنی اسلام کے تمام اصول واحکام کو اسی طرح سے مانو اور ان پر عمل پیرا رہو، جیسا کہ ان کا حق ہے، جو فرض ہے وہ فرض رہے، جو نفل ہے وہ نفل رہے، جو حرام ہے اسے حرام سمجھا جائے، جو حلال ہے اسے حلال تسلیم کیا جائے، ہر ایک کو اس کے درجے اور رُتبے میں رکھا جائے، اور ہر ایک پر اس کے تقاضے کے مطابق عمل کیا جائے، ظاہری احکام وشرائع کا بھی اہتمام کیا جائے اور قلب وباطن کو بھی

سنوارا جائے، مجموعی طور پر ہدایت کی راہ یہی ہے، اور یہی حضرات صحابہ کا طریقہ ہے، غور کیجیے جو لوگ الگ فرقوں میں تقسیم ہوں گے، وہ اسی مجموعے میں سے کسی کسی جز کو نفیاً یا اثباتاً لے لے کر الگ ہوں گے، یہ گمراہ ہو کر فرقوں میں منتشر ہونے والے اسلام کے مجموعی احکام کا اہتمام نہیں کریں گے، بلکہ اس کے خاص خاص اجزاء کو زیادہ اہمیت دیں گے، کوئی کسی جز کو مدارِ ایمان ٹھہرائے گا، کوئی کسی جز پر عکوف کرے گا۔

چنانچہ فرقوں کی تاریخ کا آپ مطالعہ کریں گے، تو تقریباً ہر جگہ یہی تماشا نظر آئے گا کہ کوئی ذہین آدمی دین اسلام کے کسی خاص مسئلے میں بے اعتدالی اور غلو کا شکار ہوتا ہے، اور اسی کے نام پر ایک ٹکڑی الگ بنا لیتا ہے، محبت اہل بیت نبی ﷺ بے شک ایمانی تقاضا ہے، لیکن شیعہ اس مسئلہ میں اس درجہ غلو میں مبتلا ہوئے، کہ انھوں نے نہ اہل بیت کو ان کے مرتبۂ ومقام پر چھوڑا، اور نہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نفوسِ قدسیہ کی قدر پہچانی، خارجیوں نے ٹھیک اس کے برعکس حضرات اہل بیت کی مخالفت میں غلو کیا۔ کبائر بے شک بڑے گناہ ہیں، لیکن خوارج اپنے غلو کی وجہ سے انھیں کفر کے درکے میں لے گئے۔ خوارج کے ٹھیک عکس مرجئہ نے گناہِ کبیرہ کو اتنا ہلکا کر دیا، کہ ایمان کے ساتھ کبائر سرے سے مضر ہیں ہی نہیں۔ انھوں نے رحمت خداوندی کے مسئلے میں اعتدال سے خروج کیا۔

قدریہ تقدیر کے مسئلے میں بہکے اور بندوں کو صاحب اختیار ہی نہیں خالق افعال تک مان لیا، تو ان کے مقابلہ میں جبریہ نے ان کے خلاف چال اختیار کی، اور بندوں سے اختیار ہی کو سلب کر لیا، اس طرح **ما أنا عليه وأصحابي** سے الگ ہوتے رہے اور فرقے وجود میں آتے چلے گئے، ان تمام فرقوں پر مجموعی اعتبار سے نگاہ ڈالیں گے اور سنت نبوی اور صحابہ کے طریق ومزاج کو سامنے رکھیں گے، تو کسی کو حضراتِ صحابہ سے مناسبت رکھنے والا نہ پائیں گے۔

یہ تو وہ فرقے ہیں جو قرونِ اولیٰ کے بعد قریب ترین زمانوں میں وجود میں آئے، آج ان ناموں کے ساتھ تمام فرقے نہیں پائے جاتے، گو ان خیالات ورُجحانات کی چھاپ

آج بھی جگہ جگہ ملتی ہے۔ اب آیئے، ان فرقوں کو دیکھا جائے، جو ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کے زوال کے بعد انگریزوں کے اشارے اور شہ پر وجود میں آئے، یا ماحول اور زمین کو سازگار پا کر جا بجا مختلف فرقے اُگ آئے، کچھ ان میں فنا کے گھاٹ اتر گئے، اور کچھ جوں توں کر کے اپنا وجود تھامے ہوئے ہیں، سب کی تفصیل مد نظر نہیں، صرف اشارات کئے جائیں گے۔

مسلمانوں کے دورِ حکومت میں اس ملک میں مسلمان کہلانے والے مجموعی لحاظ سے دو بڑے گروہوں میں منقسم تھے، سنی اور شیعہ، سنی تمامتر امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کے ماننے والے اور ان کے مقلد تھے، سبھی اہلسنت امام صاحب کی فقہ کے مطابق عبادات و معاملات میں عمل کرتے تھے، یہی یہاں کا سوادِ اعظم تھا، حضراتِ صحابہ کرام ؓ کی عقیدت، ائمہ کا احترام، محدثین و مشائخ کی عظمت شناسی ان کا شعار تھی، گوکہ بعض بعض لوگ تقلید میں غلو کے شکار بھی ہوتے تھے، لیکن امت کا عام مزاج اعتدال پر تھا۔ مسلمانوں کی حکومت کے زوال اور انگریزوں کے عروج کے بعد دینی تعلیم سے جہل بہت پھیل گیا، مگر بہر حال عوام، علماء پر اعتماد کرتے تھے، اور ان کے واسطے سے دین کے احکام بجا لاتے تھے۔ اسی دور میں کچھ لوگوں نے شوشہ نکالا کہ حنفیت حدیث کے خلاف ہے۔ تقلید شرک ہے، نماز میں رفع یدین اور آمین بالجہر نہ کرنا خلاف سنت ہے، اور ان مسائل پر اتنا زور دیا کہ ایک مستقل فرقہ اسی عنوان پر عام مسلمانوں سے کٹ کر الگ ہو گیا، پھر اس فرقہ نے اپنا نام کبھی محمدی، کبھی سلفی اور اخیر میں اہلحدیث رکھا، اور عام مسلمانوں میں یہ ابتداء ہی سے ''غیر مقلد'' کہلائے۔ غیر مقلدوں میں بھانت بھانت کے لوگ پیدا ہوئے، بعض بہت زیادہ انتہا پسند اتنے انتہا پسند کہ انھوں نے حضور اکرم ﷺ کی تقلید بھی گوارہ نہ کی، مثلاً غلام احمد قادیانی غیر مقلد تھا، چنانچہ اس کا نکاح غیر مقلدوں کے شیخ الکل فی الکل مولانا نذیر حسین صاحب نے پڑھایا تھا، اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اسلام سے خارج ہوا۔ اس کا خلیفۂ اول حکیم نور الدین بھی غیر مقلد تھا۔ اور اس کی جماعت کے بڑے بڑے اساطین غیر مقلد تھے۔

غیر مقلدوں کا سارا زور حدیث میں وارد شدہ چند مسائل ہیں، جن میں عمل کے مختلف پہلو ہیں، بعض مسائل میں انھوں نے اجماع امت کے خلاف نئی راہ نکالی، مثلاً تین طلاق تین ہے، چند ایک شاذ راویوں کے علاوہ پوری امت کا اس پر اجماع ہے، مگر غیر مقلدوں نے اس شاذ رائے کو اپنا مذہب قرار دیا۔ اسی طرح تراویح آٹھ رکعت خلاف اجماع ہے، مگر انھوں نے اسے اپنا مذہب بنایا۔ یہ فرقہ یقیناً **ماأنا علیه و أصحابی** پر نہیں ہے۔

۱۸۵۷ء میں ہندوستانیوں نے انگریزوں کے خلاف مسلح جدوجہد کی، اور چاہا کہ مغل بادشاہ کی بادشاہت بحال ہو جائے، اس جدوجہد میں مسلمان بھی مجموعی حیثیت سے شریک ہوئے، مگر غیر مقلدوں نے اس کی سخت مخالفت کی، تقدیری بات تھی کہ اس کوشش میں ہندوستانیوں کو ناکامی اور انگریزوں کے قدم مزید مستحکم ہوگئے۔ غیر مقلدوں نے تو انعامات حاصل کئے، مگر عام مسلمانوں پر آفت آگئی، بے شمار علماء اور عام مسلمان پھانسی کے تختوں پر لٹکا دئے گئے، ۱۸۵۷ء سے پہلے اس ملک میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ کی کوششوں سے اصلاح اور تعلیم و تربیت کی ایک طاقتور لہر چلی تھی۔

۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بعد سید صاحب قدس سرہٗ کے فیض یافتہ حضرات نے خود کو میدان جنگ سے ہٹا کر تعلیم و تربیت اور اصلاح عقائد و اعمال کی جدوجہد میں لگا دیا تاکہ دین اسلام اپنی اصلی شکل وصورت میں ہندوستان میں باقی رہے۔ اس کیلئے دیوبند میں ایک مدرسہ قائم کیا گیا۔ انگریز انھیں علماء کے زیر اثر مسلمانوں سے زخم کھائے ہوئے تھے، ان کی سازشوں سے کچھ لوگ بعض ایسے مسائل کو لے کر کھڑے ہوئے، جن میں معقولیت اور دیانت تو بالکل نہ تھی، البتہ جذباتیت بہت تھی، اور جذباتیت اس لئے تھی کہ ان کا تعلق حضور نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی سے تھا، اور مسلمان حضور ﷺ کے نام کو جان سے زیادہ عزیز سمجھتا ہے، ان لوگوں نے تہمت لگائی کہ یہ علماء جو دین اسلام کی حفاظت و بقا کے لئے جان کی بازی لگائے ہوئے ہیں نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں گستاخیاں کرتے ہیں، ان لوگوں نے اس کے ساتھ تعظیم انبیاء واولیاء کے نام پر وہ چیزیں اختیار کیں، جن کی گنجائش

مذہب اسلام میں نہ تھی، مثلاً نبی ﷺ کا عالم الغیب ہونا، آپ کا حاضر وناظر ہونا، آپ کا مختارِ کل ہونا، صرف نبی ﷺ نہیں، ان چیزوں کی گنجائش انھوں نے اولیاء ومشائخ کے لئے بھی نکالی، اس کے ساتھ انھوں نے بکثرت بدعت کو مباح یا مستحب بلکہ واجب اور فرض ثابت کرنے کا جتن کیا، اور بعض بدعات کو تو مدارِ ایمان ونجات تک قرار دے دیا، بدعات وخرافات کا وجود وعموم تو امت مسلمہ میں متفرق طور پر پہلے سے تھا، مگر ان کو منظّم ومدلل کرنے اور انھیں با قاعدہ مسلک بنانے کی طرح اس فرقہ نے ڈالی، جس کی ابتداء بریلی کی سرزمین سے ہوئی۔

ان تینوں فرقوں کے بعد بھی متعدد لوگوں نے زور آزمائی کی اور کسی کسی مسئلہ کو لے کر وہ اہل سنت یعنی ما أنا علیه و أصحابي سے منحرف ہوتے رہے، کسی نے قرآن کا نعرہ لگایا، اور حدیث سے برگشتہ ہوا۔ کچھ لوگوں نے حکومت الٰہیہ اور اقامت دین کا علم بلند کیا، اور اسی محور پر پورے دین کو دائر کیا، اس کے نتیجے میں عجیب وغریب خبط میں پڑے، اور خلفائے راشدین سے لے کر بعد کے عہد تک انھیں امت میں بکثرت دین سے انحراف نظر آیا۔

غیر مقلدین نے حدیث کو اس کے درجہ سے بڑھا کر غلو کیا، تو ان کے مد مقابل ایک گروہ انھیں غیر مقلدین سے پھٹ کر بطور ردعمل کے ''اہل قرآن'' کے نام سے نکلا، اس نے اپنا دامن حدیث سے چھڑانا چاہا، اور قرآن کریم کو اپنی خود رَو عقل وفہم کا تختۂ مشق بنایا، اور امت کے سوادِ اعظم سے الگ فرقہ بنا۔

یہ تمام فرقے جو بزعم خود اپنے کو حق پر، اور دوسروں کو باطل پر قرار دیتے ہیں، ان کے لئے کسوٹی اور معیار حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں کوئی فرقہ نہ تھا، یہ سب حضرات مجموعی اعتبار سے حق پر ہیں، اور جو ان کے طور وطریق پر ہوگا، ان کے معیار پر پورا اترے گا وہی حق پر ہوگا، اور جو ان سے جتنا دور ہوگا، اور جتنا منحرف ہوگا وہ اسی کے بقدر حق سے دور اور منحرف ہوگا۔

حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا

شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْداً (سورۃ البقرۃ:۱۴۳)

اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک معتدل امت بنایا، تا کہ تم باقی تمام لوگوں پر گواہ ہو، اور رسول تمہارے اوپر گواہ ہوں۔

اس آیت کے مخاطب اول حضرت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تمہیں ایک صاحب عدل اور برسر اعتدال امت بنایا، جو افراط اور تفریط سے پاک ہے، تم اپنے قول وعمل اور اعتقاد ونظریہ کے لحاظ سے دوسرے تمام لوگوں پر گواہ ہو، گواہی کی ایک صورت تو وہ ہے، جس کا احادیث میں تذکرہ آیا ہے کہ یہ امت قیامت کے دن دوسری امتوں پر ان کے انبیاء کے حق میں شہادت دے گی، اور ایک صورت یہ ہے کہ یہ امت یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت دوسرے تمام لوگوں کے لئے معیار اور شاہد ہے، انھیں کے طور وطریق اور انھیں کے اعمال واخلاق کی کسوٹی پر دوسروں کو پرکھ کے ان کے حق وباطل ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا، جو ان کے طرز زندگی پر ہوگا وہ حق پر ہے، اور جس نے ان کے دستور سے انحراف کیا، وہ باطل میں گرا۔

دوسری جگہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ (سورہ توبہ:۱۰۰)

وہ لوگ جو ابتداءً سبقت کرنے والے ہیں، یعنی مہاجرین وانصار اور وہ لوگ جنھوں نے اچھے طریقے پر ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہوا، اور وہ لوگ اللہ سے راضی ہوئے۔

یہاں حق تعالیٰ نے مقبولین امت کو جنھیں اللہ تبارک تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا پروانہ ملا ہے دو طبقوں میں تقسیم فرمایا ہے، ایک وہ لوگ جو سابقین اولین ہیں، یعنی جنھوں نے ابتداءً ایمان واسلام کی جانب سبقت کی ہے، یہ وہ لوگ ہیں، جو مہاجرین اور انصار کے معزز لقب سے معروف ہیں، یہی لوگ دین اسلام کے بنیادی لوگ ہیں۔ دوسرا طبقہ وہ ہے،

جس نے ہو بہو ان حضرات کی پیروی کی اور انھیں کے طور وطریق پر ثابت قدم رہے، یہ قیامت تک آنے والے وہ افراد ہیں، جو صحابۂ کرام ؓ کے نقش قدم پر چلتے ہیں، ان کے مصداق اولین وہ لوگ ہیں جو براہ راست صحابہ کے شاگرد ہیں، جنھیں امت نے ’’تابعین‘‘ کے معزز لقب سے یاد کیا ہے، گویا صحابہ کے اتباع میں یہی حضرات اصل ہیں، اور انھیں کے ساتھ وہ حضرات بھی لاحق ہیں، جو تابعین کے شاگرد ہیں، اور جنھیں ’’تبع تابعین‘‘ کے لقب سے سرفراز یا گیا ہے، امت نے تابعین اور تبع تابعین کی جماعت کو علی الاطلاق حضرات صحابہ کے ساتھ جو ملحق کیا ہے، وا پنی رائے سے نہیں کیا ہے، بلکہ قرآن وحدیث کا اشارہ پا کر کیا ہے۔

سورۂ جمعہ میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَآخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ﴾ (آیت: ۳) اور کچھ دوسرے لوگ جو ابھی ان کے ساتھ شامل نہیں ہوئے ہیں، (آئندہ ہوں گے) صحابۂ کرام ؓ کے ساتھ شامل ہونے والے یہ تابعین اور تبع تابعین ہی تو ہیں۔

مزید صراحت دیکھئے، بخاری ومسلم دونوں میں ایک حدیث منقول ہے، جس کے راوی حضرت ابوسعید خدری ؓ ہیں، وہ فرماتے ہیں:

> رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ ایک لشکر جہاد کیلئے نکلے گا، لوگ آپس میں کہیں کہ تم میں کوئی صحابئ رسول ہے؟ معلوم ہوگا کہ ہاں ہیں، ان کی برکت سے فتح ہوگی، پھر دوسرا دور آئے گا، لوگ تلاش کریں گے کہ تم میں اصحاب رسول اللہ ﷺ کا کوئی صحبت یافتہ (یعنی تابعی) ہے، معلوم ہوگا کہ ہاں ہیں، پھر ان کی برکت سے فتح حاصل ہوگی، پھر تیسرا دور آئیگا، اور جہاد میں تلاش ہوگی کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ کے صحبت یافتوں کا کوئی شاگرد ہے، معلوم ہوگا کہ ہاں ہیں، پھر ان کی برکت سے فتح حاصل ہوگی‘‘

برکت ونصرت کا یہ سلسلہ حضرات صحابہ سے چلا اور تبع تابعین پر تام ہوگیا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تبع تابعین تک خیر وصلاح اور صحابہ کرام کی پیروی وتقلید کا غلبہ ہوگا، اسی دور تک مجموعی حیثیت سے مسلمانوں کا عام معاشرہ، حضرات صحابہ کے طور وطریق پر ہوگا،

﴿وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ﴾ ہی پر مسلمانوں کی اجتماعیت مشتمل ہوگی۔

تبع تابعین کے بعد پھر وہ تمام لوگ حق پر ہیں جو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مزاج اور رنگ ڈھنگ پر ہیں، خواہ انفراداً خواہ اجتماعاً، غرض حق وصداقت کے معیار، حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہی ہیں، ان کے ذیل میں حضرات تابعین و تبع تابعین بھی معیارِ حقانیت کا ضمیمہ ہیں۔

ہم یہاں چاہتے ہیں کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے وہ خصوصی احوال واوصاف اجمالاً ذکر کریں، جن کا تذکرہ ان کی محبوبیت ومقبولیت کے ذیل میں قرآن وحدیث اور آثارِ صحابہ میں آیا ہے، تاکہ پڑھنے والے خود پرکھ سکیں کہ انھیں ان مقبولانِ الٰہی سے کتنی مناسبت ہے، اور دوسرے مدعیان حق کو کتنی مناسبت ہے۔

(۱) صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کفار ومشرکین کے مقابلے میں سخت اور مضبوط تھے، نہ ان سے ڈرتے تھے، اور نہ ان سے مرعوب ہوتے تھے۔

(۲) آپس میں یہ حضرات نہایت رحم دل اور خدا ترس تھے۔

(۳) عبادات اور نماز وغیرہ کا انھیں خاص ذوق تھا۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی رضامندی وفضل کا حصول ہی انکی تگ ودَو کا خاص مقصد تھا۔

(۵) ان کے چہروں پر عبادت واخلاص کا خاص اثر ظاہر ہوتا تھا۔

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعاً سُجَّداً یَّبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِّنَ اللہِ وَرِضْوَاناً سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ﴾ (سورۃ الفتح:۲۹)

محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، وہ کافروں پر زور آور ہیں، آپس میں رحم دل ہیں، انھیں تم رکوع اور سجدے میں دیکھتے ہو، وہ اللہ کے فضل اور رضامندی کے طالب ہیں، ان کے چہروں پر سجدوں کے آثار نمایاں ہیں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے یہ احوال واوصاف اتنے نمایاں اور واضح ہیں کہ یہ ان کی

شناخت بن گئے تھے، اللہ پر ایمان لائے اور اسی کے ہونے کا عہد و پیمان باندھا، تو اس میں اتنے مضبوط اور ثابت قدم رہے کہ اللہ کی مرضی اور احکام کے مقابلے میں کسی مخالف کی رعایت نہ کی، خواہ وہ اپنے خاندان کا فرد ہو یا غیر ہو، نہ کسی سے مرعوب ہوئے اور نہ ان کے طور طریقوں اور رسم و رواج سے کوئی دلچسپی رکھی، تاریخ میں اس کی اتنی شہادتیں ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے احوال سے ادنیٰ واقفیت رکھنے والا بھی بخوبی جانتا ہے۔

اور آپس میں رحم دلی اور ایثار و قربانی کی صفت بھی اس قدر ظاہر ہے کہ کور چشم بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا، جس معاشرہ کی تشکیل حضور اکرم ﷺ نے کی تھی، اس میں رحم و مروت اور شرافت و انسانیت اپنے معراج کمال کو پہونچی ہوئی تھی۔

عبادت اور نماز وغیرہ کی یہ شان تھی کہ گویا وہ ہر آن اسی میں مصروف رہتے تھے، اور اخلاص وللہیت کا وہ عالم تھا کہ بجز اللہ کی رضامندی کے انھیں کچھ اور مطلوب ہی نہ تھا، اور اس عبادت اور کثرت رکوع و سجود کا اثر ان کے چہروں پر دمکتا تھا۔

اس مختصر مضمون میں تفصیل کی گنجائش نہیں ورنہ ان احوال کی اگر تفصیل لکھی جائے، اور تاریخ سے ان کی شہادتیں جمع کی جائیں، تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے، یہاں اشارہ و اجمال پر اکتفا کی جاتی ہے۔

(۶) صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے اللہ کو محبت ہے، اور وہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔
(۷) اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔
(۸) اللہ کے بارے میں اور دین کے مسئلے میں کسی الزام دینے والے اور تہمت رکھنے والے کے الزام و تہمت سے نہیں ڈرتے۔

سورۂ مائدہ (آیت: ۵۴) میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يَـاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾

اے ایمان والو! جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے، تو عنقریب اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لائے گا، جن کو اللہ چاہتا ہے اور وہ اللہ کو چاہتے ہیں، مسلمانوں پر نرم دل ہیں، کافروں پر زبردست ہیں، لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں، اور کسی کے الزام وملامت سے نہیں ڈرتے، یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے دیتا ہے، اللہ کشائش والا خبردار ہے۔

اس آیت میں اس کا ذکر ہے کہ اگر کوئی بظاہر اہل ایمان کی جماعت میں شامل ہے، مگر کسی وقت وہ اس صف سے نکل جائے، تو مسلمانوں کی طاقت اور جماعت پر اس کا کچھ اثر نہ ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے عوض ایسے لوگوں کو لا کھڑا کریگا، جو اللہ کے محبوب ہوں گے، اور وہ اللہ پر جان دینے والے ہوں گے، اہل ایمان کے حق میں نرم دل ہوں گے، کفار پر سخت ہوں گے، اللہ کے راستے میں جہاد کرنا اور غیروں کے الزام سے مرعوب وخائف نہ ہونا ان کے خاص اوصاف ہوں گے۔

یہ کون سی قوم ہے؟ جس کے اوصاف اللہ نے بیان فرمائے ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یکبارگی ارتداد پھیلا تھا، یہ وہ لوگ تھے، جو دوسروں کی دیکھا دیکھی حلقۂ اسلام میں داخل ہوگئے، مگر اسلام ان کے دلوں میں جاگزیں نہیں ہوا تھا، ﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ﴾ (سورۃ الحجرات: ۱۴)

ان دیہاتیوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے، تم کہو کہ تم ایمان نہیں لائے، لیکن یہ کہو کہ فرمانبردار ہوئے (یعنی مخالفت ترک کردی) ابھی تمہارے دلوں میں ایمان سرایت نہیں کرسکا ہے۔

اس ارتداد کے مقابلے میں کون سی قوم اس وقت کھڑی ہوئی تھی، تاریخ کی شہادت ہے کہ حضرات صحابۂ کرام ہی تھے جن کے امام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، پس یہ تمام مناقب واوصاف حضراتِ صحابہ ہی کے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے ایک نئے اُسلوب اور دلنشیں انداز میں بیان کیا ہے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فتنۂ ارتداد کے مقابلے میں کوئی نئی قوم برپا کی

جائے گی، مگر درحقیقت اس سے مراد خود وہی ہیں، جن کو **یا ایھا الذین آمنوا** کہہ کر خطاب کیا گیا ہے، اس انداز بیان سے حضرات صحابہ کی منقبت کی شان دوبالا ہو رہی ہے۔

(۹) **صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم أجمعین پوری امت میں سب سے بہتر ہیں، اور ان کا وصف خاص أمر بالمعروف اور نھی عن المنکر اور اللہ پر مخلصانہ ایمان ہے۔**

سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَامُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ﴾ (سورہ آل عمران: ۱۱۰)

تم لوگ سب امتوں سے بہتر ہو، جو لوگوں کیلئے ظاہر کئے گئے ہو، بھلے کاموں کا جو شریعت میں جانے پہچانے ہیں حکم دیتے ہو، اور برے کاموں سے جو شریعت میں ناپسندیدہ ہیں منع کرتے ہو، اور اللہ پر ٹھیک ایمان رکھتے ہو۔

اس آیت کے اول مخاطب اور مکمل مصداق حضرات صحابۂ کرام ؓ ہیں، ایمان علی وجہ الکمال انھیں حاصل تھا، چنانچہ ان کے جیسے ایمان لانے کا حکم قرآن کریم میں ہے۔

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ آمِنُوْا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوْا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلٰكِنْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (سورۃ البقرۃ: ۱۳)

جب ان (منافقین) سے کہا جاتا ہے کہ اسی طرح ایمان لاؤ جیسے لوگ (یعنی صحابۂ کرام) ایمان لائے ہیں، تو کہتے ہیں کہ کیا ہم ایمان لائیں جس طرح بیوقوف ایمان لائے ہیں، سن لو کہ یہی بیوقوف ہیں لیکن وہ جانتے نہیں۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

﴿فَاِنْ آمَنُوْا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ (سورۃ البقرۃ: ۱۳۷)

پس اگر یہ ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے ہو، تو یہ بھی ہدایت پا جائیں گے۔

ان آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ **﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّة﴾** کے اصل

مصداق صحابۂ کرام ہی ہیں، انھیں کے کمال ایمان کی شہادت قرآن کریم میں ہے، اور **أمر بالمعروف اور نھی عن المنکر** میں بھی یہی حضرات قائد اور معیار ہیں۔

(۱۰) حضرات صحابۂ کرام، اللہ اور رسول کے مخالفین سے دوستی نہیں رکھتے، اگر چہ یہ مخالفین ان کے باپ ہوں، ان کے بیٹے ہوں، ان کے بھائی ہوں، ان کے اہل خاندان ہوں۔

(۱۱) ان کے قلوب میں اللہ نے ایمان کو نہایت پختہ کر دیا ہے۔

(۱۲) اللہ تعالیٰ نے فیضانِ غیبی سے ان کی مدد فرمائی ہے۔

(۱۳) ان کی نسبت اللہ کے ساتھ اتنی قوی اور واضح ہے کہ انھیں حق تعالیٰ نے اللہ کا لشکر (**حزب اللہ**) کا خطاب دیا، سورہ مجادلہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لَا تَجِدُ قَوْماً یُّوْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَادَّاللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَوْ کَانُوْا آبَاءَ ھُمْ أَوْ أَبْنَاءَ ھُمْ أَوْ إِخْوَانَھُمْ أَوْعَشِیْرَتَھُمْ اُوْلٰئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ وَأَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ وَیُدْخِلُھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھَارُ خَالِدِیْنَ فِیْھَا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ اُوْلٰئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (سورہ مجادلہ: ۲۲)

وہ لوگ جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہیں، انھیں تم اللہ اور اس کے رسول کے مخالفین سے دوستی کا دم بھرتے نہیں پاؤ گے، اگر چہ وہ ان کے باپ، بیٹے، بھائی یا اہل خاندان ہوں، یہی لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے قلوب میں ایمان لکھ دیا ہے، اور ان کی تائید روح القدس (فیضان غیبی) سے فرمائی ہے، اور انھیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہوا، اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، یہ لوگ اللہ کے لشکر ہیں، سن لو اللہ کا لشکر ہی کامیاب ہے۔

یہ قوم جو اللہ اور یوم آخر پر اتنا پختہ ایمان رکھتی ہے کہ اللہ اور رسول کے مخالفوں سے انھیں کسی طرح کی محبت کا تعلق نہیں تھا۔ یہ حضرات صحابۂ کرام ہی ہیں، چنانچہ روایات میں

اس کے مصداق میں حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کا نام لیا گیا ہے، اور بھی متعدد صحابہ اس کے ذیل میں صراحۃً آتے ہیں، اور واقعہ یہ ہے کہ تمام صحابۂ کرام کی شان یہی تھی۔

(ملاحظہ ہو، تفسیر ابن کثیر)

(۱۴) حضرات صحابۂ کرام نے محض اللہ کی خوشنودی کے لئے گھر بار اور مال و دولت کو ترک کر کے فقر و فاقہ اور مفلسی کی زندگی قبول کی۔

(۱۵) یہ لوگ اللہ و رسول کی مدد میں جان کھپائے ہوئے ہیں۔

(۱۶) صحابۂ کرام نہایت سچے لوگ ہیں۔

(۱۷) حضرات صحابۂ کرام نے محض اللہ کی محبت میں دوسری جگہ سے آئے ہوئے اہل ایمان کو صرف ایمان کی بنیاد پر اپنا بھائی بنایا، اور انھیں اپنے اوپر ترجیح دی۔

(۱۸) دوسروں کو جو کچھ فضیلت اور نعمت ملی ہے، اس پر رشک اور حسد کی نگاہ نہیں ڈالتے، ان کے سینے رشک و حسد سے پاک ہیں۔

سورہ حشر میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِّنَ اللهِ وَرِضْوَاناً وَّيَنْصُرُوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهُ أُوْلٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُوْنَ ٥ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَأُوْلٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (سورۃ الحشر: ۸۔۹)

(مالِ فے) ان فقراء مہاجرین کے لئے ہے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکال دئے گئے، وہ اپنے رب کے فضل اور اس کی خوشنودی کی تلاش میں ہیں، اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ سچے ہیں، اور وہ لوگ جنھوں نے ٹھکانا بنایا اس گھر کو (یعنی مدینہ شریف کو) اور اس میں ایمان کو بھی (اختیار کیا) ان مہاجرین کے آنے سے پہلے، وہ ان لوگوں سے جو ہجرت کر کے ان کے پاس آئے ہیں، محبت کرتے ہیں، اور اپنے

دلوں میں کسی طرح کی کوئی غرض اس چیز سے نہیں پاتے جو ان کو ملی ہے، اور اپنی جانوں پر انھیں ترجیح دیتے ہیں، اگر چہ ان کو فاقہ ہی ہو، اور جو کوئی اپنے جی کے حرص سے بچا لیا گیا وہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔

حضرات مہاجرین کی یہ قربانی بے نظیر ہے کہ محض اللہ کی رضا کے لئے گھر بار، دھن دولت، سب کچھ یکلخت ترک کر دیا، اور ایک اجنبی جگہ کو بے تکلف وطن بنالیا، اور حضرات انصار نے بھی مہاجرین کے ساتھ جو معاملہ کیا، وہ ایک بے مثال معاملہ ہے، ایثار و قربانی کی اتنی زبردست مثال وہ بھی اجتماعی طور پر دنیا کی اگلی پچھلی تاریخ اس کے پیش کرنے سے قاصر ہے۔

(۱۹) صحابۂ کرام کی شان یہ تھی کہ اگر انھیں زمین پر اقتدار حاصل ہو تو عام اصحاب اقتدار کے برخلاف یہ نمازیں قائم کریں، زکوۃ کا اہتمام کریں، یعنی بندگی کا نتظام کریں، اور **أمر بالمعروف** اور **نہی عن المنکر** کا نظام قائم کریں۔

حق تعالیٰ نے سورہ حج میں صحابہ کرام کی مظلومیت بیان کر کے انھیں اذنِ جہاد عطا فرمایا اور اس کے بعد ان کی یہ شان ظاہر فرمائی:

﴿اَلَّـذِیْـنَ إِنْ مَّـکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ أَقَامُوْا الصَّلٰوۃَ وَآتَوُا الزَّکٰوۃَ وَأَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ﴾ (آیت:۴۱)

وہ لوگ کہ اگر ہم زمین میں انھیں اقتدار بخشیں، تو وہ نماز قائم کریں، اور زکوۃ دیں اور بھلے کام کا حکم کریں اور برے کام سے منع کریں، اور اللہ کے اختیار میں ہر کام کا انجام ہے۔

اور پھر تاریخ نے دیکھا کہ جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا، صحابۂ کرام کے دورِ حکومت میں عبادات کا اور **أمر بالمعروف** اور **نہی عن المنکر** کا جیسا کچھ اہتمام و انتظام ہوا، وہ رہتی دنیا تک کے لئے نمونہ ہے۔

(۲۰) یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ کی آیات پر ایسا ایمان رکھتے ہیں کہ جب انھیں اللہ کی آیات کے حوالے سے بات سمجھائی جاتی ہے تو فوراً سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور اللہ کی تسبیح

وتحمید کرتے ہیں، اور ذرا بھی بڑائی کی شان نہیں اختیار کرتے۔

(۲۱) صحابۂ کرام کو شب زندہ داری کا خصوصی ذوق تھا، رات کو زیادہ تر جاگتے تھے، اور صبح کو استغفار کرتے تھے۔

(۲۲) خوفِ الٰہی سے ہمہ وقت لرزاں وترساں رہتے تھے، اور اللہ سے بڑی امیدیں بھی رکھتے تھے۔

(۲۳) ان کے مالوں میں غرباء ومساکین کا مخصوص حصہ ہوتا تھا۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيَاتِنَا الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّداً وَّ سَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَايَسْتَكْبِرُوْنَ٥ تَتَجَافىٰ جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفاً وَّ طَمَعاً وَّمِمَّارَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ (الم سجده : ۱۶/۱۵)

ہماری باتوں کو وہی مانتے ہیں کہ ان کو جب ان باتوں سے سمجھایا جاتا ہے، تو وہ سجدے میں گر جاتے ہیں اور پاک ذات کو یاد کرتے ہیں اپنے رب کی خوبیوں کے ساتھ اور وہ بڑائی نہیں کرتے، ان کے پہلو خواب گاہوں سے جدا رہتے ہیں اور اپنے رب کو خوف اور لالچ سے پکارتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے روزی دی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ٥ آخِذِيْنَ مَا آتَاهُمْ رُبُّهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ٥ كَانُوْا قَلِيْلاً مِّنَ اللَّيْلِ مَايَهْجَعُوْنَ ٥ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ٥ وَفِیْ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾ (سورۃ الذاریات: ۱۵تا۱۹)

بے شک اصحاب تقویٰ باغوں میں ہیں، جو کچھ ان کو ان کے رب نے دیا ہے، اسے لیتے ہیں، وہ اس سے پہلے نیکی والے تھے، وہ رات کو تھوڑا سوتے تھے، اور صبح کے وقتوں میں معافی مانگتے تھے، اور ان کے مال میں مانگنے والے اور ہارے ہوئے کا حصہ تھا۔

بظاہر یہ آیتیں حضرات صحابہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں، اور یہ درست ہے، لیکن

قرآن پاک میں صحابہ کے جو احوال بیان کئے گئے ہیں وہ نظر میں ہوں، تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اوصاف اولاً صحابہ ہی کے ہیں، ان کے بعد جو ان اوصاف کا حامل ہوگا وہ ﴿وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ﴾ کے زمرے میں ہوگا۔

سورہ سجدہ میں آیات پر ایمان رکھنے والوں کا تذکرہ ہے، اور اس کے ذیل میں کچھ احوال بیان کئے گئے ہیں، ظاہر ہے کہ آیات پر اول ایمان لانے والے یہی صحابۂ کرام ہیں، اور ان کے ایمان کے بارے میں حق تعالیٰ کی شہادت ہے، براہ راست انھیں کو خطاب کر کے فرمایا ہے:

﴿وَاعْلَمُوْا أَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ اللهِ لَوْ یُطِیْعُكُمْ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللهَ حَبَّبَ إِلَیْكُمُ الْإِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ﴾

اور جان لو کہ تم میں اللہ کے رسول ہیں، اگر بہت سے کاموں میں وہ تمہاری بات مان لیا کریں، تو تم مشکل میں پڑ جاؤ گے، مگر اللہ نے تمہارے حق میں ایمان کو محبوب بنا دیا، اور اس کو تمہارے دلوں میں مزین کر دیا، اور کفر و گناہ اور نافرمانی کی نفرت ڈال دی، یہی لوگ ہدایت کی راہ پر ہیں۔ (سورہ حجرات: ۷)

تو جن کے دلوں میں ایمان کی محبت اس درجے میں ہے، سورہ سجدہ میں انھیں کے اوصاف و کمالات بیان ہوئے ہیں اور یہی لوگ ہیں جن کے لئے تقویٰ کا کلمہ لازم کر دیا گیا ہے، ایک جگہ صحابۂ کرام ہی کے متعلق فرمایا ہے: ﴿وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰی وَكَانُوْا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا﴾ (سورۃ الفتح: ۲۶) تقویٰ کا کلمہ ان کے لئے لازم کر دیا، اور وہی اسکے مستحق اور اہل ہیں۔

تو جن کے حق میں تقویٰ بطور لزوم کے ثابت ہو، ان سے بڑھ کر متقی کا مصداق کون ہوگا؟ پس سورہ ذاریات میں جن متقیوں کا تذکرہ ہے ان کے مصداق کامل حضرات صحابہ ہی ہیں۔

ان آیات میں صحابہ کے وہی احوال بیان کئے گئے جن کا اوپر تذکرہ کیا گیا، وہ بڑے ہی نیک اور محسن ہیں، راتوں کو کم سوتے ہیں، زیارہ تر جاگ کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اللہ کی آیات سنتے ہیں، تو سجدہ ریز ہوتے ہیں، حق تعالیٰ کی تسبیح وتحمید کرتے ہیں، خوابگاہوں میں بستروں پر ان کے پہلو نہیں ٹکتے، بلکہ اُٹھ اُٹھ کر اللہ کے خوف سے اور اللہ کے ثواب کی امید میں پکارا کرتے ہیں، دعائیں کرتے ہیں، اور اس پر بھی کسی طرح کے ناز اور غرور میں مبتلا نہیں ہوتے، بلکہ رات کے خاتمہ پر صبح کے اوقات میں اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے ہیں، یہ انتہائی بے نفسی اور انکساری کی بات ہے، اور جو کچھ اللہ نے مال دے رکھا ہے اس میں مانگنے والوں کا بھی حصہ ہے اور ان عاجزوں اور بے کسوں کا بھی جو مانگنے کی بھی ہمت نہیں رکھتے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے معاشرہ میں یہ ذوق اور یہ مزاج عام تھا، ہر صحابی اسی پیکر میں ڈھلا ہوا تھا۔

(۲۴) حضرات صحابہ سے اگر کوئی غلطی صادر ہوتی، تو بے تامل اسکا اقرار کر لیتے اور اس سے سچی توبہ کرتے اور کسی طرح کے اصرار اور جرأت سے کام لیتے۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ توبہ میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿وَآخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلاً صَالِحاً وَّآخَرَ سَيِّئاً عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (۱۰۲)

اور کچھ لوگ جنھوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا، انھوں نے ملایا ایک نیک کام اور ایک برا، قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر مہربانی فرمائے، بے شک تعالیٰ غفور رحیم ہیں۔

ایسا نہیں ہے کہ حضرات صحابہ معصوم رہے ہوں، بلاشبہ وہ بشر تھے، اور بشریت کے لوازم اور اس کی کمزوریوں سے مبرا نہ تھے، مگر ان کے ایمان اور جذبۂ خلوص نے ان کی بشریت کو عبدیت کا ایسا دل آویز پیکر عطا فرمایا تھا کہ ہر لغزش اور ہر خطا کے بعد نیکی اور عمل صالح کا رنگ کچھ اور نکھر جاتا تھا۔ بے شبہ ان سے کبھی خطا ہو جاتی تھی، لیکن خطا کے بعد

اعترافِ گناہ کی نیکی فوراً ظہور کرتی تھی، اور یہ اعتراف واقرار جذبۂ عبودیت کا ثمرہ تھا۔ یہ اعتراف گناہ فوری طور پر توبہ کی پناہ گاہ میں پہونچا دیتا تھا، پھر ایسی توبہ ہوتی کہ پورا پورا شہر اس کے سائے میں بخشش کا مستحق ہوجاتا۔

گناہ ہو، اور اس سے توبہ نہ ہو، صحابہ کی تاریخ اس سے خالی ہے، اور توبہ بھی ایسی کہ رہتی دنیا تک یادگار ہوجائے۔ حضرت ماعز اسلمیؓ، غامدیہ، حضرت کعب بن مالک اور حضرت ابولبابہ وغیرہ کی لغزشیں اور پھر ان کی توبہ تاریخِ صحابہ کے جگمگاتے نمونے ہیں۔

ہم نے صحابۂ کرام کے اوصاف وکمالات کا اجمالاً تذکرہ قرآن کریم کے حوالے سے کیا ہے، آپ انھیں دوبارہ پڑھئے، اور دیکھئے ان حضرات کی سیرت اور ان حضرات کی زندگی کا کیسا مرقع تیار ہوتا ہے۔

اس کے بعد ہم رسول اللہ ﷺ کی زبانِ حق ترجمان سے ان تلامذۂ نبوت کے کچھ احوال سننا چاہتے ہیں۔

مسلم شریف کی روایت ہے، حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی، پھر ہم نے ارادہ کیا یہیں مسجد میں بیٹھے رہیں، اور حضور کے پیچھے عشاء کی نماز پڑھ کر جائیں، چنانچہ ہم وہیں بیٹھے رہے، عشاء کے وقت رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، آپ نے ہمیں دیکھا تو فرمایا تم لوگ یہیں ہو، ہم نے عرض کی کہ آپ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی اور چاہا کہ عشاء کی نماز پڑھ کر یہاں سے جائیں۔ فرمایا اچھا کیا، بہتر کیا، پھر آپ نے سر مبارک آسمان کی طرف اُٹھایا، اور ایسا آپ بسا اوقات کیا کرتے تھے، پھر فرمایا کہ ستارے، آسمان کے لئے امان ہیں، جب ستارے ختم ہوجائیں گے، تو آسمان سے جو وعدہ ہے، وہ وقت آجائے گا (یعنی قیامت آجائے گی) اور میں اپنے اصحاب کے لئے امان ہوں، جب میں چلا جاؤں گا تو میرے اصحاب پر وہ چیز آجائے گی، جس کا وعدہ ہے (یعنی فتنے اور اختلافات) اور میرے اصحاب میری امت کے لئے امان ہیں، جب میرے اصحاب دنیا سے چلے جائیں گے، تو میری امت ان چیزوں میں

مبتلا ہو جائے گی جن کا وعدہ ہے (یعنی بدعات وخرافات، دنیا پرستی اور آخرت فراموشی وغیرہ) ج:۲، ص:۳۰۸۔

حضرت عمران بن حصین ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے بہتر دور میرا ہے، پھر اس کے بعد کا دور، پھر اس کے بعد کا دور۔۔۔۔ حضرت عمران فرماتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں رہا کہ اپنے دور کے بعد دو دور فرمایا، یا تین دور۔۔۔۔ اس کے بعد ایسے لوگ ہوں گے جو گواہی دینے میں سبقت کریں گے، حالانکہ ان سے گواہی نہیں طلب کی جائے گی، اور خیانت کریں گے، امانتوں کا لحاظ نہیں کریں گے، منت مانیں گے، مگر پوری نہ کریں گے، اور ان میں فربہی (یعنی موٹاپا) ظاہر ہوگا۔ (مسلم شریف ج:۲، ص:۳۰۹)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کا دور جس میں صحابہ کی نشو ونما اور تربیت ہوئی ہے، وہ سب سے بہتر دور ہے اور اس کے بعد جو دور ہے، وہ حضراتِ صحابہ کا ہے جس میں تابعین کی تربیت ہو رہی تھی، اس بہترین دور کی خاص بات یہ ہے کہ آدمی شہادت دینے سے ڈرتا تھا کہ کہیں غلطی نہ ہو جائے، اور امانت داری کا پورا اہتمام تھا، عیش وتنعم بالکل نہ تھا، لوگ محنت ومجاہدہ اور جفاکشی کی زندگی گزارتے تھے، اس لئے ان کے بدن فربہی سے خالی رہتے تھے، بعد کے اَدوار میں کھانے پینے کی فراوانی اور عیش وتنعم کی اَرزانی ہوگی، لوگوں کے بدن تو موٹے ہو جائیں گے، مگر روحیں کمزور ہو جائیں گی، امانت کا اہتمام نہ ہوگا، گواہی کی اہمیت باقی نہ رہے گی۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **ما من أصحابی یموت بارض إلا بعث لهم نوراً وقائداً یوم القیامة** (ترمذی ....) میرے اصحاب میں سے کوئی کسی سرزمین پر دنیا سے انتقال کرے گا، تو قیامت کے دن وہ وہاں والوں کے لئے نور اور پیشوا بن کر اُٹھے گا۔

حضرت عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میرے بعد میرے صحابہ میں جو اختلاف ہوگا، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس پر میرے اوپر وحی نازل ہوئی کہ اے محمد! تمہارے صحابہ میرے نزدیک آسمان کے

ستاروں کے مانند ہیں، کہ بعض بعض سے قوی ہیں، لیکن ہر ایک روشن ہے، ان کے اختلافات میں جس کو بھی کوئی اختیار کرے گا، ہدایت پر ہوگا اور آپ نے فرمایا میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں، جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پر رہوگے۔

(رواہ رزین، مجمع الزوائد ج:۲، ص:۱۹۰)

یہ شہادتیں سیدالاساتذہ ﷺ کی اپنے تلامذہ کے بارے میں ہیں، یہ سب شہادتیں اللہ کی جانب سے ہیں، جن میں غلطی اور بھول چوک کا احتمال نہیں ہے، ان سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کے دائرۂ عمل اور طریق زندگی اور ان کے ذوق ومزاج سے امت کو باہر نہیں جانا چاہئے، ہر پھر کر یہی دائرۂ حق وصداقت کا حصار ہے، اس سے ذرا بھی انحراف یا خروج ہوگا، تو آدمی گمراہی سے نہیں بچے گا۔ کامیابی اور جنت کا راستہ ان کے نقوش قدم ہیں۔ آدمی دیکھتا بھالتا چلا جائے، سیدھا جنت میں پہونچے گا۔

احادیث مبارکہ کا ذخیرہ حضراتِ صحابۂ کرام کے ذوق ومزاج، ان کے کردار وعمل، ان کے جذبۂ اخلاص وللٰہیت، ان کے شان اتباع وجاں نثاری، ان کی عبادت وریاضت، ان کے سوزِ قلب وجگر، ان کی فکر آخرت، ان کی شب زندہ داری، ان کے جذبۂ جہاد اور ان کی صداقت وشجاعت کی تفصیلات سے معمور ہے، ان تفصیلات کا متحمل یہ مختصر رسالہ نہیں ہے، لیکن حق یہ ہے کہ ان تفصیلات سے آگاہی حاصل کی جائے، تاکہ ان کے نقش قدم پر چلنا آسان ہو، کیونکہ حق وہیں ہے جہاں جہاں ان کے نقوش قدم جگمگا رہے ہیں، جن راہوں پر صحابہ نہیں چلے ہیں، وہ اندھیرے راستے ہیں، ان پر جانے کا مطلب ہلاکت ہے، اس لئے حضرات صحابہ کی زندگیوں کا تفصیلی علم حاصل کرنا ایک کارِ اہم ہے، انھیں سے راہِ حق کی شناخت ہوتی ہے۔

اب ہم ایک صحابیٔ رسول کے ارشادات پیش کرتے ہیں، انھوں نے صحابہ کرام ؓ کا بہت جامع اور بلیغ تعارف کرایا ہے، اور انھیں حق ہے کہ وہ صحابہ کا تعارف کرائیں۔ یہ صحابی حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ ہیں، جن کا دربارِ نبوت میں ایک خاص

مقام تھا، اور صحابۂ کرام بالخصوص امیر المومنین سیدنا عمر فاروق ؓ ان کے رتبۂ بلند کے معترف تھے، خود زبان نبوت نے ان پر دین کے باب میں بڑے اعتماد اور وثوق کا اظہار فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

اولٰئک أصحاب محمد ﷺ كانوا أفضل هٰذه الامة أبرها قلوباً وأعمقها علماً وأقلها تكلفاً إختارهم الله لصحبة نبيه ولإقامة دينه فاعرفوا لهم فضلهم واتبعوهم علىٰ آثارهم وتمسكوا بما استطعتم من أخلاقهم وسيرهم فإنهم كانوا على الهدى المستقيم (مشکوٰۃ شریف، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

یہ **محمد** ﷺ کے اصحاب ہیں، اس امت میں سب سے **افضل**، قلب کے اعتبار سے سب سے نیک، علم کے لحاظ سے سب سے گہرے، تکلف میں سب سے کم، اللہ نے ان کو اپنے نبی کی صحبت کے لئے، اور اپنے دین کو قائم کرنے کے لئے چنا تھا۔ ان کی فضیلت کو پہچانو، اور ان کے نقوش قدم پر ان کی پیروی کرو، اور جتنا تم سے ہو سکے، ان کے اخلاق اور ان کی سیرت کو مضبوطی سے پکڑو، کیونکہ وہ سب حضرات سیدھی ہدایت پر تھے۔

قلب کی نیکی، علم کی گہرائی، تکلف سے احتراز، اللہ کا انتخاب، نبی ﷺ کی صحبت وتلمذ، اور دین کو قائم کرنے کی جدوجہد، صحابۂ کرام کی زندگی کے وہ روشن عنوانات ہیں، جن سے وہ دور جگمگا رہا تھا۔

قلب کی نیکی کا تو وہ حال تھا کہ خود حق تعالیٰ نے شہادت دی کہ ﴿رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ آپس میں ایک دوسرے پر رحم وکرم کا جذبہ رکھنا، قلب کی سب سے بڑی نیکی ہے، ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوىٰ وَكَانُوْا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا وَكَانَ اللهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْماً﴾ (سورۃ الفتح: ۲۶) اور لگائے رکھا ان کو تقویٰ کی بات پر، اور وہی اسکے مستحق اور اہل تھے، اور اللہ ہر چیز سے خبردار ہے۔

سورہ حجرات میں حق تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ أُوْلٰئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللهُ

قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَّأَجْرٌ عَظِيْمٌ (آیت:۳) بے شک جو لوگ رسول اللہ کے پاس دبی آواز سے بولتے ہیں، یہ وہی ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے ادب کے واسطے جانچ لیا ہے، ان کے واسطے معافی ہے، اور بڑا ثواب ہے۔

یہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے کلمہ تقویٰ پر لگائے رکھا، اور وہی اس کے اہل تھے، جس کی خبر اللہ نے اپنے علم سے دی ہے، جو نبی ﷺ کے سامنے اپنی آواز پست رکھتے تھے، کیونکہ انھیں اللہ کا حکم تھا کہ: يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (سورہ حجرات:۲)

اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز کے اوپر بلند نہ کرو، اور نہ ان سے تڑخ کر بولو، جیسے ایک دوسرے سے تڑخ کر بولتے ہو، کہیں تمہارے اعمال اکارت نہ ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

تو یہ آوازیں نبی کے سامنے پست رکھنے والے، جن کے قلوب کو اللہ نے تقویٰ اور ادب کی تخم ریزی کے لئے پرکھ لیا ہے، اور مانجھ کر خالص تقویٰ وطہارت کے واسطے تیار کر دیا ہے، کون لوگ ہیں؟ جن کا اتنے اہتمام سے رب تعالیٰ نے تذکرہ فرمایا ہے، ایک ہی جواب ہے کہ یہ حضراتِ صحابۂ کرام ہیں۔ (رضوان اللہ علیہم)

تو پھر ان سے بڑھ کر نیکی کس کی ہوگی، اور واقعاتی دنیا میں اس کی شہادت تلاش کیجئے تو حد وشمار سے زائد شہادتیں ہیں۔

اور علم کی گہرائی وگیرائی کا حال چودہ صدیوں کی علم دین کی پوری تاریخ بیان کر رہی ہے، دینی علوم کا منبع کون سی جماعت ہے، کائناتِ انسانی کے سب سے بڑے عالم (ﷺ) کے تلامذہ سے زیادہ کس کا علم ہوگا۔ علم کا سرچشمہ صحابۂ کرام ہی کی جماعت ہے، جس نے رسول اللہ ﷺ سے علم ومعرفت کی دولت حاصل کی اور ساری دنیا میں اسے پھیلا دیا۔ امت کا بڑے سے بڑا عالم ہو، اس کے علم کا رشتہ صحابۂ کرام ہی کے واسطے سے صاحب شریعت علیہ

الصلوٰۃ والسلام تک پہونچتا ہے، تمامتر دین اور دینی علم صحابہ ہی کے واسطے سے امت تک منتقل ہوا ہے، یہ اساتذۂ امت ہیں، اور ایسے اساتذہ ہیں، جنھیں اللہ تعالیٰ نے انتخاب فرمایا ہے۔

اور تکلف سے اجتناب واحتراز کا حال معلوم کرنا ہو تو صحابہ کے سوانح زندگی پڑھ جائیے، ایسی سادہ اور بے تکلف زندگی، بے تکلف معاشرت کہیں نہ ملے گی۔ کھانے میں، پینے، رہن سہن میں، لباس میں، مکان میں، گھر والوں میں، دوستوں میں، مہمانوں میں، بڑوں میں، چھوٹوں میں، ہر جگہ ایک سادگی کی سادگی اور بے تکلفی کی بے تکلفی، جس میں نہ کوئی الجھن، نہ تشویش، ہر ایک دوسرے سے مطمئن، ایک دوسرے پر اعتماد، جو بات دل میں، وہی زبان پر! حضراتِ صحابہ کے اختلافات ومشاجرات بھی امت کیلئے مشعل راہ ہیں۔

یہ حضرات اسلام کے کامل ومکمل نمونہ تھے، جنھیں مانجھ کر اور جانچ کر اللہ نے صاف ستھرا کر دیا تھا، پھر انھیں حق وصداقت کا معیار بنا دیا اور اس معیار کو رسول اللہ ﷺ نے باذن اللہ سند دوام دے دی یہ فرما کر کہ نجات یافتہ جماعت وہی ہے، جو ما أنا علیہ وأصحابی کی راہ پر چلتی رہے، یعنی وہ راہ جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں۔ گویا اصحاب سب آپ ہی راہ پر رہے، اس سے قطعاً منحرف نہیں ہوئے۔

جب یہ بات ہے تو ضروری ہے کہ انھیں حضرات کے طریقے پر اپنا اور دوسروں کا امتحان کیا جائے، یہی معیارِ حق ہیں۔ انھیں مت جانچیے، ان پر اپنے کو اور اپنی جماعت کو جانچیے۔

ان کے طریقے کو اجمالاً اس مضمون میں قرآن کریم کی صاف اور سچی روشنی میں پیش کر دیا گیا ہے۔ اسے بار بار پڑھئے، تاکہ حق ذہن نشین ہو جائے، باطل کی پہچان ہو جائے۔

☆☆☆☆☆

ایک خط اور اس کا جواب

گزشتہ دنوں استاذی حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب مدظلہٗ کے نام دہلی سے ایک خط آیا، لکھنے والے صاحب کوئی راشد شاز ہیں، ان سے کوئی واقفیت نہیں ہے، ان کی تحریر پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ان پر قیادت وسیادت کا بھوت سوار ہے، اس لئے ’’تنصیب امامت‘‘ اور ’’امت کی قیادت‘‘ وغیرہ سے کم کی بات نہیں کرتے، چند روز پہلے ایک دوست نے ان کی ایک کتاب ’’ادراک زوال امت‘‘ مطالعہ کے لئے دی تو اس کے چند ہی ابواب پڑھ کر اندازہ ہوگیا کہ یہ شخص طبقۂ منکرین حدیث کی صف اول کا آدمی ہے، اور اس نے انکارِ حدیث کے سلسلہ میں اپنے تمام پیش رؤں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے، اس کتاب کو پڑھ کر طبیعت بہت مکدر ہوئی، اس کے خط کا جواب حضرت مولانا مدظلہٗ نے نہایت تفصیل سے دیا، وہ پیش خدمت ہے، اس سے پہلے ذیل میں راشد شاز کا خط ملاحظہ ہو، اس سے اس کے افکار ونظریات اور ذہنی کجروی کا کچھ اندازہ ہوگا۔

گرامی قدر جناب مولانا اعجاز احمد اعظمی صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گذشتہ ایک سال کے دوران مجلّہ ’’فیوچر اسلام‘‘ نے عالمی سطح پر اپنی شناخت ایک ایسے رسالہ کی حیثیت سے مستحکم کرلی ہے جہاں مشرق ومغرب کے اہل فکر مستقبل کے ایجنڈے کے سلسلے میں تبادلۂ خیال کررہے ہیں۔ ابھی حال ہی میں اس سلسلۂ بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے ہم نے امت مسلمہ کے مستقبل کے سلسلے میں ایک مذاکرہ منعقد کیا تھا جس میں مختلف حلقۂ فکر کے اصحابِ علم ودانش نے اس بارے میں اپنی تجاویز پیش کیں کہ امت مسلمہ کی دوبارہ تنصیب امامت کے لئے کیا کچھ کیا جانا چاہئے۔ آنے والے دنوں میں ہم مذاکرہ کی یہ مجلس دنیا کے مختلف دارالحکومتوں میں منعقد کرانے کا ارادہ رکھتے ہیں، تاکہ اس ظلمت شب سے جہاں اہل زمین فی زمانہ جینے پر مجبور ہیں، ایک نئی صبح کے طلوع کی راہ ہموار ہوسکے۔

مجلّہ ’’فیوچر اسلام‘‘ چونکہ بیک وقت اردو، عربی، اور انگریزی زبانوں میں شائع ہوتا ہے جسے دنیا کے مختلف حصوں میں انٹرنیٹ پر لاکھوں قارئین پڑھتے ہیں، اور جسے ہم آنے والے دنوں میں ترکی، بنگالی اور دوسری بڑی زبانوں میں بھی شروع کرنا چاہتے ہیں، ہماری خواہش ہے کہ اس بین الاقوامی مباحثے میں آپ کی ضرور شرکت ہو۔ آپ کو شاید یاد ہو کہ اس سے پہلے بھی ہم نے مجلّہ ’’فیوچر اسلام‘‘ کے مقاصد کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا تھا:

> ’’ہمارے زوال کی تلافی صرف اندرونی مسئلہ نہیں۔ آخری وحی کے حاملین کی حیثیت سے پوری انسانیت کا مستقبل ہم سے وابستہ ہے، اس لئے امت مسلمہ کے موجودہ انتشار اور اس کے فکری زوال کو نظرانداز کر دینا دنیائے انسانیت کیلئے خطرناک مضمرات کا حامل ہوگا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے زوال پر بحث ومباحثہ کا حوصلہ پیدا کریں۔ اپنی طویل تہذیبی تاریخ اور فکری انحرافات کا وحی کی روشنی میں سخت محاسبہ کریں، جو امت صدیوں سے فقہی طریقۂ فکر کی عادی ہے اور جس کے دل ودماغ علمائے متقدمین کی شخصیت نے مبہوت کر رکھا ہے، اس کے لئے یقیناً یہ آسان نہیں کہ وہ صدیوں پر مشتمل اپنے تہذیبی اور علمی سرمائے پر تنقیدی نظر ڈال سکے۔ جہاں **قال فلان** اور **روی فلان** پر معاملات فیصل کرنے کا رواج ہو، وہاں ہر مسئلہ پر وحی ربانی کی روشنی میں اپنے دل ودماغ کو متحرک کرنے کی دعوت خواہ کتنی معقول ہو، اجنبی ضرور لگے گی۔ ہوسکتا ہے بعض لوگوں کو اس پر تجدد پسندی کا گمان ہو، لیکن جو لوگ قرآن مجید میں رسول اللہ (ﷺ) کے مقصد بعثت سے متعلق ارشاد سے واقف ہیں (**ویضع عنهم إصرهم والاغلال التی کانت علیهم**) (اعراف: ۱۵۷) ان کے لئے اس نکتے کا ادراک مشکل نہیں کہ جس طرح قرآن مجید خدا اور بندے کے مابین کسی ربائیت یا پاپائیت کو قابل استرداد سمجھتا ہے، اسی طرح وہ مولویت کے ادارے کا بھی انکاری ہے، نہ تو تشریح وتعبیر پر کسی کی اجارہ داری ہے اور نہ ہی کسی کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی کی صحیح العقیدگی پر شبہ وارد کرے۔ اہل ایمان کو تو چھوڑیئے، اللہ تعالیٰ نے تو حلقۂ اسلام سے باہر افراد کا فیصلہ بھی اپنے ہاتھوں میں محفوظ رکھا ہے۔ **إن الله یفصل بینهم یوم القیامة**
>
> جیسا کہ ہم نے عرض کیا، دائرۂ وحی سے ہمارے باہر آجانے کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ ہم خیر امت کے منصب جلیل سے معزول ہوگئے، بلکہ پوری انسانی تاریخ جس کی

> آخری لمحے تک ہمیں قیادت کرنی تھی، سخت بحران سے دوچار ہوگئی۔ تاریخ کے اس سب سے بڑے انحراف سے درستگی کے لئے لازم ہے کہ ہم ان اسباب پر ایمان دارانہ غور کریں، جس نے ہمیں انسانیت کی قیادت سے ہٹا کر تاریخ کے dustbin میں ڈال دیا ہے۔ تاریخ کے اس بحران عظیم کی درستگی کے لئے اب کیا کیا جائے؟ اور اس کا آغاز کہاں سے ہو؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب دینے کے لئے ہم نے طے کیا ہے کہ بین الاقوامی سطح پر امت کے علماء ودانشوروں کا ایک مستقل فورم قائم کیا جائے، جہاں ایک نئی ابتداء کے لئے سنجیدہ غور وفکر کی طرح ڈالی جاسکے“۔

اس سلسلے میں مزید تفصیلات انگریزی، عربی اور اردو زبانوں میں ہماری ویب سائٹ www.futureislam.com پر موجود ہے، جسے آپ راست انٹرنیٹ پر ملاحظہ کرسکتے ہیں۔ انٹرنیٹ پر آپ کے مضامین کی اشاعت مذکورہ بحث کو آگے بڑھانے کے علاوہ آپ کی بیش قیمت تحریروں کو دنیا کے مختلف گوشوں میں ایسے قارئین فراہم کرے گی جن تک یقیناً آپ کی تحریر پہونچنے کی مستحق ہے، توقع ہے کہ آپ ہماری دعوت کو قبول کرتے ہوئے اس بنیادی مسئلہ پر اپنی تحریریں روانہ کریں گے کہ دنیا کی موجودہ بے سمتی کا ازالہ کیسے ہوسکتا ہے، امت مسلمہ کے موجودہ زوال کو کیسے روکا جاسکتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ امت مسلمہ کی دوبارہ تنصیب امامت کیسے ہوسکتی ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ آپ ہمارے تجزیے سے اتفاق رکھتے ہوں، اور نہ ہی ہم اس بات کی توقع کرتے ہیں کہ اس سوال کے مختلف جوابات میں یکسانیت ہوگی، البتہ ہم چاہتے ہیں کہ اس سوال کے ہر ممکنہ جواب کو سنجیدہ غور وفکر کا مستحق سمجھا جائے۔

آپ کے فی الفور جواب کا انتظار رہے گا۔

والسلام
راشد شاز
مدیر فیوچر اسلام ڈاٹ کام

☆☆☆☆☆

الحمد لله رب العالمين، والصلوٰة والسلام علیٰ خاتم النبيين وآله واصحابه اجمعين، امابعد!

گرامی قدر جناب راشد شاز صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

آپ کا مطبوعہ مکتوب ملا۔ اسے پڑھ کر میں نے سمجھنے کی کوشش کی، مگر مجھے افسوس کے ساتھ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ نہ مجھے یہ سمجھ میں آیا کہ آپ کی دعوت کا کیا مقصد ہے؟ اور نہ یہ سمجھ میں آیا کہ اس کے لئے آپ نے کیا طریقۂ کار اختیار کیا ہے؟ آپ شاید تعجب کریں کہ اتنی بلید اور موٹی سمجھ والے کو آپ نے کیوں مخاطب کیا؟ تو آپ کا تعجب حق بجانب ہے، میں بھی حیرت میں ہوں کہ میرے پاس یہ چیستاں اور معمہ کیوں بھیجا گیا؟

آپ کے مکتوب کا اجمالی جواب تو میں نے لکھ دیا، لیکن تھوڑی سی اپنی ناسمجھی کی تشریح بھی پیش خدمت کرنا چاہتا ہوں، تاکہ میرا ناقابل التفات ہونا پختہ ہو جائے۔

آپ نے جس زبان میں خط لکھا ہے، اس سے مجھے مناسبت نہیں، میں نے ابتداء عمر سے قرآن وحدیث کی زبان پڑھی ہے، اور وہی زبان سمجھتا ہوں، آپ کے خط کے وہ الفاظ وکلمات جو مجھے بنیادی اور مرکزی معلوم ہوئے، انھیں میں نے قرآن وحدیث کے الفاظ ومفاہیم کی روشنی میں دیکھنا چاہا، تو وہ مجھے نہیں ملے، حالانکہ آپ نے خط میں قرآن کے ایک دو جملوں کا حوالہ بھی دیا ہے، مگر ان کی روشنی میں بھی آپ کے مدعا پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔

یہاں میں ان بنیادی الفاظ کو نوٹ کئے دیتا ہوں، (۱) مستقبل کا ایجنڈا، (۲) امت مسلمہ کا مستقبل، (۳) تنصیب امامت، (۴) بین الاقوامی مباحثہ، (۵) آخری وحی کے حاملین کی حیثیت سے پوری انسانیت کا مستقبل ہم سے وابستہ ہے، (۶) جو امت صدیوں سے فقہی طریقۂ فکر کی عادی ہے، (۷) کسی ربّائیت وپاپائیت کو قابل استرداد سمجھتا ہے، اسی طرح مولویت کے ادارے کا بھی انکاری ہے، (۸) نہ تو تشریح وتعبیر پر کسی کی اجارہ داری ہے، (۹) اہل ایمان کو تو چھوڑیئے اللہ تعالیٰ نے حلقۂ اسلام سے باہر افراد کا فیصلہ بھی اپنے ہاتھوں میں محفوظ رکھا ہے، (۱۰) ہم خیر امت کے منصب جلیل سے معزول ہو گئے، (۱۱) پوری انسانی تاریخ جس کی آخری لمحے تک ہمیں قیادت کرنی تھی، (۱۲) دوبارہ تنصیب امامت وغیرہ۔

مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ ان الفاظ سے آپ نے کیا سمجھانا چاہا ہے، مستقبل کیا چیز ہے؟ ہمارے زمانے کے بعد سے قیامت آنے تک کے زمانے کو آپ نے مستقبل قرار دیا ہے یا دنیا کے بعد والی زندگی کو مستقبل کہا ہے؟ بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے موجودہ زمانے کے بعد سے قیامت آنے تک کے زمانے کو مستقبل کہا ہے، تو اس کا ایجنڈا کیا ہے؟ ساری دنیا پر امت مسلمہ کا سیاسی غلبہ؟ اقتصادی غلبہ؟ یا علمی غلبہ؟ فکری اور تہذیبی وغیرہ صرف خوش نما الفاظ ہیں، جن کا کوئی مفہوم شاید اب تک متعین نہیں ہوسکا، یا اس سے مراد تدین وتقویٰ، صداقت وامانت اور اخلاق حمیدہ میں امامت ہے۔

پوری دنیا پر سیاسی غلبہ اور اس اعتبار سے امت کی امامت کے وعدے سے قرآن وحدیث کے صفحات خاموش ہیں، اور ایسا کبھی تاریخ میں بھی نہیں ہوا۔ اس لئے پوری دنیا پر سیاسی امامت وغلبہ کا خواب دیکھنا، یا اس میں سر کھپانا ایک فضول کام ہے، ہاں جہاں جہاں مسلمانوں کی حکمرانی ہے، انھیں خالص مسلمان بننے، اسلامی قانون کو نافذ کرنے اور یہود ونصاریٰ کی تقلید، ان کے رعب وتسلط اور ان کے خوف ودہشت سے آزاد ہونے کی دعوت دی جانی چاہئے، لیکن آپ نے اس کی طرف اشارہ تک نہیں کیا ہے۔

اور اگر امامت سے مراد اقتصادی غلبہ ہے، تو یہ چیز مطلوب کیا ہوتی؟ قرآن وحدیث کی تصریحات کے مطابق تو حرص مال سخت خطرناک ہے، اور فی زمانہ اقتصادی غلبہ مال کی بے تحاشا حرص وہوس کے بغیر ممکن نہیں، انفرادی سطح پر یا اجتماعی سطح پر اصحابِ ثروت کون ہیں؟ یہود ونصاریٰ، اور ان کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ یہ دونوں قومیں مال وجاہ کی جوع البقر میں مبتلا ہیں، اس لئے ہر ناکردنی ان کے یہاں رَوا ہے، تو کیا آپ اسی راہ پر امت کو ڈالنا چاہتے ہیں؟

اور اگر امامت سے مراد علمی امامت ہے، تو آج کل جسے علم کہا جاتا ہے، وہ دنیاوی علوم وفنون ہیں، مثلاً سائنس اور اس کی مختلف شاخیں، ڈاکٹری وغیرہ، ان علوم کا تعلق صرف دنیا کی زندگی تک ہے، موت کے بعد یہ سب علوم جہالت کے خانے میں چلے جاتے ہیں ان

میں امامت مفید تو ہے، مگر امت اسلامیہ کے مقاصد میں نہیں ہے۔

اور دوسری چیز جو حقیقۃً علم ہے، مگر آج کی خدا فراموش اور آخرت سے غافل دنیا اسے علم ماننے کے لئے تیار نہیں ہے، وہ علم آخرت ہے، اس میں بحمد اللہ آج بھی امامت امت مسلمہ ہی کو حاصل ہے، کوئی اقتداء کرے یا نہ کرے۔

تدین وتقویٰ، صداقت وامانت اور اخلاق حمیدہ میں امامت البتہ مطلوب ہے، مگر وہ نہ عالمی مجلس مذاکرہ سے حاصل ہوگی، نہ بین الاقوامی مباحثہ سے، بلکہ آپ کے یہاں اس کا اشارہ بھی نہیں۔

اور جیسا کہ میں نے عرض کیا، فکری، تہذیبی وغیرہ محض الفاظ ہی الفاظ ہیں، بے معنی الفاظ! اس لئے وہ درخورِ اعتناء نہیں۔ ’’بین الاقوامی مباحثہ‘‘ میں کیا دنیا کی ہر قوم شریک ہوگی، اگر ایسا ہے، تو اس کا امت مسلمہ سے کیا تعلق؟ وہ تو کفر وشرک کا مجموعی سنڈاس بن کر رہ جائے گا۔

’’پوری انسانیت کا مستقبل ہم سے وابستہ ہے‘‘ الفاظ تو بہت خوشنما ہیں، مگر آپ ہی بتائیں کہ اس کا مطلب کیا ہے؟ کس اعتبار سے مستقبل وابستہ ہے؟ اور کون سا مستقبل؟ اس وابستگی کی خبر کس نے دی، اللہ نے، رسول نے یا آپ نے؟

’’جو امت صدیوں سے فقہی طریقۂ فکر کی عادی ہے‘‘ کیوں صاحب فقہی طریقۂ فکر کا عادی ہونا کوئی جرم ہے، آخر علم فقہ قرآن وحدیث اور سنت نبوی ہی کی صراحتوں، اشاروں سے ماخوذ ومستنبط ہے، فقہی طریقۂ فکر ترجمان ہے، قرآن وسنت کا۔ کیا آپ فقہی طریقۂ فکر سے بغاوت کی دعوت دے کر امت کو قرآن وسنت سے بغاوت کی دعوت نہیں دے رہے ہیں؟ اگر آپ کہیں کہ

’’ہم وحی ربانی کی روشنی میں اپنے دل ودماغ کو متحرک کرنے کی دعوت‘‘

دے رہے ہیں، تو معاف کیجئے گا یہ امت کو فریب دینا ہے، آپ درحقیقت یہ کہنا چاہتے ہیں، کہ وحی ربّانی کی روشنی میں علماء اسلاف نے جو طریقۂ فکر متعین کیا ہے، اس سے بغاوت

کر کے اس طریقۂ فکر پر آجاؤ، جو ہمارے دل و دماغ کی پیداوار ہے، جس کو اسلاف کے طریقۂ فکر سے بچایا گیا ہے۔ یہ دعوت وحی ربّانی کی طرف نہیں ہے، اس انسانی فکر و فہم کی طرف ہے، جو مغربیت کی چکاچوند اور دنیا پرستی کے شور و غوغا سے مرعوب ہو کر قرآنی تعلیمات اور اسلامی احکام کو بوجھ محسوس کر رہی ہے، اور اسے کسی بہانے سے اتار پھینکنا چاہتی ہے۔

یاد رکھئے اسلاف کے فقہی طریقۂ فکر سے آزاد ہو کر اپنے دل و دماغ کو متحرک کیجئے گا، تو وہ کچھ اور ہی مذہب ہوگا، اسلام نہ ہوگا۔ اور اس مذہب کی امامت سے، جو اسلام نہ ہو، ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

> ”جس طرح قرآن مجید خدا اور بندے کے درمیان کسی ربّائیت و پاپائیت کو قابل استرداد سمجھتا ہے، اسی طرح مولویت کے ادارے کا بھی انکاری ہے“

بے شک قرآن کریم نے یہودیوں کی احبار پرستی اور عیسائیوں کی رہبان پرستی کا انکار کیا ہے، چنانچہ فرمایا ہے: **إتخذوا أحبارهم ورهبانهم أربابا من دون الله**۔ انھوں نے اللہ کے مد مقابل اپنے علماء اور اپنے درویشوں کو رب بنالیا تھا۔ اس میں **من دون الله** کا لفظ بہت اہم ہے، جب کسی بندے کے لئے خدائی اختیارات مان لئے جائیں، تو یہ کفر و شرک ہے، لیکن اگر علماء نے اللہ کے بندے بن کر، اللہ کی بندگی کی دعوت دیتے ہوئے، اللہ کے کلام کو سمجھنے کی پوری کوشش کی اور اسی میں اپنی تمام صلاحیتیں صرف کیں، اپنی عمر اسی میں کھپائی، پھر پیروی کرنے بھی والوں نے انھیں خدا نہیں قرار دیا، بندہ ہی مانا، البتہ اپنے سے زیادہ واقف کار سمجھ کر ان کے علم و فہم پر اعتماد کیا اور ان کی پیروی کی تو قرآن اس کا انکاری کب ہے، وہ تو کہتا ہے: **فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون**، علم والوں سے پوچھو، اگر تمھیں علم نہیں۔ اور فرمایا: **واتبع سبيل من أناب إلى**، اس شخص کی پیروی کرو جس نے میری طرف انابت اختیار کی۔

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ مخلص اور متدین علماء کی پیروی کی جائے، اگر اللہ اور بندے کے درمیان اس واسطہ کو آپ پاپائیت سمجھتے ہیں تو یہ وہم ہے، اسے دور کیجئے۔

یہود ونصاریٰ تو مجموعی طور پر احبار ورہبان کو ارباباً من دون اللہ بنانے میں مبتلا ہوگئے تھے، لیکن امت مسلمہ اجتماعی اعتبار سے اس بیماری سے بحمد اللہ پہلے بھی محفوظ تھی، اور اب بھی محفوظ ہے، کچھ گمراہ لوگ اگر اس بیماری میں مبتلا ہوئے ہوں تو علماء نے اسے رد کردیا ہے، اس کی وجہ سے پوری امت کو اس کا مریض نہیں قرار دیا جاسکتا۔

پاپائیت اور مولویت کو ایک جیسا ادارہ قرار دینا علم وعقل سے تہی دامنی کی دلیل ہے، بحمد اللہ اس امت نے مولویوں کو قرآن وحدیث کا عالم تو مانا ہے، خدا نہیں مانا ہے، اس کے لئے ثبوت درکار ہے کہ قرآن مولویت کے ادارے کا انکاری ہے، یہ قرآن پر غلط الزام ہے، بے جا تہمت ہے۔

''نہ تو تشریح وتعبیر پر کسی کی اجارہ داری ہے'' یعنی قرآن کی تشریح وتعبیر پر کسی اجارہ داری نہیں ہے، یہ جملہ بیسویں صدی میں ایجاد ہوا ہے، اور اس کو قرآن وحدیث کو بوجھ سمجھنے والوں نے اتنی مرتبہ دہرایا ہے کہ اب ان لوگوں کے لئے ضرب المثل یا سکۂ رائج الوقت بن گیا ہے، جو قرآن کی اور دین کی من مانی تشریح کرنا چاہتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ دین اسلام کو اسی طرح مسخ کردیں کہ جیسا مغربیت زدہ ذہنیتوں نے اپنی صورتوں، سیرتوں اور طور وطریق کو بگاڑ لیا ہے، کہ دیکھنے میں کہیں اسلام کا اثر اور نشان نظر نہ آئے، لیکن مسلمان ہونے کے مدعی رہیں، اسی طرح اسلام کی ایسی تعبیر وتشریح کی جائے کہ دورِ صحابہ کے اسلام کا کوئی نشان باقی نہ رہے، اور دعویٰ کئے جائیں کہ یہ اسلام ہی، بلکہ یہی اسلام ہے۔

اجارہ داری ایک بھونڈے معنی میں استعمال کیا گیا ہے، اور اس سے علماء اسلام کی توہین ظاہر ہورہی ہے، ورنہ مطلب یہ ہے کہ علماء نے قرآن وحدیث کی جو تشریح کی ہے، اور احکام اسلام کی جس طرح تعبیر کی ہے، ہم اس کے پابند نہیں، ہم خود بھی جیسے چاہیں تشریح کرسکتے ہیں، اور تعبیر کرسکتے ہیں، اور امت کو چاہئے کہ ہماری تشریح وتعبیر......خواہ علماء کے خلاف ہی ہو......قبول کرلے۔

لیکن اللہ کے بندوں سے کوئی پوچھے کہ کسی اور فن کی تعبیر وتشریح کی اجازت آپ

ہر شخص کو دے سکتے ہیں؟ قانون کی تشریح ایک ڈاکٹر کرسکتا ہے؟ میڈیکل سائنس کی تعبیر وتشریح ایک قانون داں وکیل یا جج کرسکتا ہے؟ سائنسی ایجادات میں کامرس کے محققین دخل دے سکتے ہیں؟ اس زمانے میں یہ تو قاعدہ مسلم ہے کہ ہر فن میں صاحب اختصاص (اسپیشلسٹ) ہونا چاہیئے، ایک کے دائرے میں دوسرا دخل نہیں دے سکتا، پھر یہ کیا مذاق ہے کہ دین اسلام اور وحی الٰہی کی تشریح وتعبیر کا حق ہر شخص کو ہو، کیا اس میں صاحب اختصاص کی ضرورت نہیں ہے؟ یہ لوگ جو دنیاوی فنون کے حلقے میں نہایت صاحب عقل ہوتے ہیں، قرآن اور دین کے باب میں زبان کھولتے، اور قلم اٹھاتے ہیں، تو عقل کے دشمن ہوتے ہیں، اور یہی لوگ معزول شدہ امت کو امامت کے منصب پر دوبارہ فائز کریں گے۔ **إنا للہ وإنا إلیہ راجعون**

شاذ صاحب! معاف کیجیئے گا، میرا لہجہ گرم ہوگیا، مگر کیا کروں کہ ان بے تکی باتوں پر غیرت کو تاب نہیں رہتی، علماء امت کا وقار گرا کر اور قرآن کی من مانی تعبیر وتشریح کر کے، امت کو امامت کے منصب پر نہیں، دنیا و آخرت ے خسران میں ڈھکیل دیں گے۔

آپ نے لکھا ہے ”اہل ایمان کو تو چھوڑیئے اللہ تعالیٰ نے حلقہ اسلام سے باہر افراد کا فیصلہ بھی اپنے ہاتھوں میں محفوظ رکھا ہے“ اس ارشاد پر غور کر رہا ہوں تو حیرت بھی ہوتی ہے اور عبرت بھی!

آپ کا منشا شاید یہ ہے کہ قیامت کے آنے سے پہلے کسی آدمی کے صحیح العقیدہ ہونے یا بدعقیدہ ہونے کا فیصلہ تو درکنار، اس کی صحیح العقیدگی پر شبہ بھی نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ آپ نے لکھا:

”اور نہ ہی کسی کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی کی صحیح العقیدگی پر شبہ وارد کرسکے“۔

یعنی کسی کا عقیدہ خواہ کچھ بھی ہو، وہ قرآن کی تعبیر وتشریح کے نام پر کچھ بھی کہتا ہو، کچھ بھی نظریہ رکھتا ہو، اس کی خوش عقیدگی پر شبہ نہیں وارد کیا جاسکتا ہے، کیونکہ اللہ نے فیصلہ

اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے اور وہ قیامت کے دن فیصلہ کرے گا۔ آپ نے حوالہ بھی دیا ہے:

إن الله يفصل بينهم يوم القيامة۔

چلئے چھٹی ہوئی، آپ نے قرآن کے اس جملہ سے جو مطلب اخذ کیا، اور جو تشریح آپ کرنی چاہتے ہیں، اس کی رُو سے حق و باطل کا فیصلہ دنیا میں ہو ہی نہیں سکتا، قیامت پر یہ فیصلہ اُٹھ گیا ہے، اب کس منہ سے کسی کو کوئی گمراہ اور بدعقیدہ کہے۔

تو پھر ماضی کے ایک گمراہ شخص (۱) کی طرح یہی کیوں نہیں کہہ دیا جاتا کہ اس وقت جو لوگ دنیا کی قیادت کر رہے ہیں وہی حق پر ہیں، یا کم از کم یہ کہ انھیں گمراہ نہیں کہا جا سکتا، خواہ وہ یہود و نصاریٰ ہوں یا ہنود و بت پرست۔

قرآن کی ایسی ہی تعبیر و تشریح ہوگی، تو قرآن کا اور اسلام کا تو کچھ نہ بگڑے گا، اس کی حفاظت اللہ تعالیٰ کر رہے ہیں، لیکن اس طرح کی تعبیر و تشریح کرنے والے کہاں جائیں گے؟ اس پر غور کر لینا چاہئے۔

اللہ ہی جانتا ہے کہ دائرۂ وحی سے کون باہر آگیا؟ وہ لوگ جو اس خط کے ذریعے دائرۂ وحی میں واپس آنے کی دعوت دے رہے ہیں، یا اس کے مخاطب اہل اسلام؟

خط کی تحریر سے تو معلوم ہوتا ہے کہ داعی حضرات ہی کچھ باہر نکلے ہوئے ہیں۔

آپ نے طے کیا ہے بین الاقوامی سطح پر امت کے علماء و دانشوروں کا ایک مستقل

---

(۱) ذہن و دماغ کا ذائقہ کڑوا ہو گیا جب یہاں پہونچ کر مشہور اردو ادیب اور صحافی نیاز فتحپوری کی یاد آئی، نیاز نے بھی اپنے قلم کی کاٹ سے اہل ایمان کو بہت ایذا پہونچائی تھی، نیاز فتحپوری نے اپنی تحریروں میں کئی جگہ دہرایا ہے کہ اہل حق وہی ہیں، جن کا غلبہ دنیا پر ہے، اور مسلمان جو باوجود ادعائے اسلام کے پستی میں گرے ہوئے ہیں، دائرۂ حق سے باہر ہیں، اس سلسلے میں علماء اسلام کی خدمت میں ایک گستاخانہ استفتاء بھی بھیجا تھا، اس کے جوابات جو حضراتِ علماء کی طرف سے موصول ہوئے تھے، ان پر بہت تیز و تند تبصرہ بھی کیا تھا۔ تفصیل نیاز فتحپوری کے ماہنامہ ''نگار'' کی ۱۹۳۱ء کی اشاعت میں ملے گی۔ میں نے ۳۵ / سال پہلے پڑھا تھا۔ اس وقت میرے سامنے نہیں ہے، وہ بھی ایک فتنہ تھا، جس کی یاد بھی اب ذہنوں سے محو ہو گئی۔

فورم قائم کیا جائے، جہاں ایک نئی ابتداء کے لئے سنجیدہ غور وفکر کی بنیاد ڈالی جاسکے۔

یہ نئی ابتداء کیا ہوگی؟ کیا سنت ہوگی؟ تب تو وہ بہت پرانی ہے، کیا بدعت ہوگی؟ تب تو وہ قابل رد ہے۔

آپ کی یہ کوشش اگر اسے اہمیت دی جائے تو امت میں ایک انتشار کا پیش خیمہ ہوگی، اس سے زوال کی رفتار مزید بڑھے گی۔ امت کے لئے یہ نئی نئی راہیں مت کھولئے، البتہ اگر اسے اہمیت نہ دی گئی تو فنا ہوکر رہ جائے گی۔

امت مسلمہ کی ترقی اور بہبود کے لئے وہی راستہ اور طریقہ متعین ہے، جسے رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے، یعنی **ما أنا علیه و أصحابی**، وہ طریقہ جس پر میں ہوں، اور جس پر میرے صحابہ ہیں۔ اس معیار سے جو قریب تر ہو اور جس طریقے میں صحابۂ کرام کے مزاج وطبیعت کی خوبو زیادہ ہو وہی راستہ حق کے قریب ہے، اس کے لئے کسی فورم کی ضرورت نہیں، صحیح تربیت کی ضرورت ہے، اپنی زندگی میں اسی اسلام کو نافذ کرنے کی ضرورت ہے، جو حضراتِ صحابہ کی زندگیوں میں تھا، وہی اسلام حق ہے۔ **فماذا بعد الحق إلا الضلال**

شاذ صاحب! میں نے اپنی ناسمجھی کی تفصیل لکھ دی، یقیناً آپ کو گرانی ہوئی ہوگی، لیکن جس طرح کی باتیں آپ نے ہمیں سنائی ہیں، اس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ بھی سننے کا حوصلہ پیدا کریں۔

اب سنئے کہ آپ کے خط کو پڑھ کر مجھے جو الجھن ہوئی وہ تو ہوئی۔ میں اس سوچ میں پڑ گیا کہ ہم لوگوں کا ایمان کیا اتنا کمزور ہوگیا ہے کہ لوگ اس طرح کے باغیانہ خیالات کا مخاطب ہم لوگوں کو بنانے حوصلہ کرنے لگے ہیں، ہم نے قرآن وحدیث کی روشنی میں اور سلف سے خلف تک اجتماعی طور پر، دین کو، ایمان کو، طریق رسول ﷺ کو، دستورِ صحابہ کو جو کچھ پایا ہے، یہ راگنی اس سے بالکل الگ اور بے جوڑ ہے، اسے بھی اگرچہ اسلام اور قرآن کے نام پر پیش کیا جارہا ہے، لیکن اسے اصل اسلام اور قرآن سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔

میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ ان خود ساختہ خیالات کے پھندے سے نکلئے، اور قرآن وسنت کی جو تشریح بالاتفاق چلی آرہی ہے، اس سے انحراف مت کیجئے، فروعی اختلاف کوئی مضر چیز نہیں ہے، اصول میں کوئی اختلاف نہیں ہے، **ماأنا عليه أصحابي** کو خلوص دل سے مضبوط پکڑیئے۔

خدا کے حضور اپنا مصنوعی اسلام لے کر نہ جایئے، وہ قبول نہ ہوگا، وہی اسلام قبول ہوگا، جو امت میں اجماعی طور پر مقبول رہا ہے۔

ان نئی نئی تشریحات وتعبیرات سے ممکن ہے دولت کے انبار سے آپ مستفید ہوں، خواہشات کی آزادی میں آپ کو لطف آئے، لیکن

نہ یہ دولت کام آئے گی، اور نہ شہرت باعث نجات بنے گی، نہ خواہشات کی لذتیں باقی رہیں گی۔ اللہ سے ڈریئے، اور صراط مستقیم پر قائم رہئے۔

﴿ رَبَّنَا اِنَّکَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِياً يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ آمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴾

اے ہمارے رب! جسے آپ نے جہنم میں ڈال دیا، اسے نے ذلیل وخوار کردیا، اور ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں ہے، اے ہمارے رب! ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا، وہ ایمان کی صدا لگا رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ، تو ہم ایمان لائے، اے ہمارے رب تو ہمارے لئے ہمارے گناہوں کی مغفرت فرمادیجئے، اور ہم سے ہماری برائیوں کو محو کردیجئے اور نیکوں کی معیت میں ہمیں وفات دیجئے، اے ہمارے رب! اور ہمیں وہ بات عطا فرمایئے جس کا آپ نے ہم سے اپنے رسولوں کی زبان پر وعدہ فرمایا ہے، اور ہم کو بروز قیامت رُسوا نہ فرمایئے، بلاشبہ آپ وعدہ کے خلاف نہیں کرتے۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسلمانوں کے نام ایک اہم پیغام

تمام مسلمانوں کی خدمت میں گزارش ہے کہ زمانۂ نبوت سے دوری ہو جانے کی وجہ سے ہدایت کی راہ دھندلی ہوتی جارہی ہے، گمراہی کی یلغار ہر طرف بڑھتی جارہی ہے، کتابوں پر کتابیں چھپ رہی ہیں، تقریر وخطابت کا دروازہ وسیع ہوتا جارہا ہے، ہر شخص مدعی ہے کہ وہ ہدایت کے چراغ روشن کررہا ہے، مگر اندھیرا ہے کہ اس کے سائے لمبے ہی ہوتے جارہے ہیں۔ ہر دوحرف جاننے والا اس پندار میں مبتلا ہے کہ دین ومذہب کی ترجمانی اور اس میں رائے زنی کا اسے حق حاصل ہے، خواہش نفس کو دین الٰہی کا عنوان دینے میں کوئی جھجک نہیں محسوس کی جاتی، اور عام مسلمانوں کا بھی یہ حال ہے جہاں کسی زبان وقلم کے دھنی نے ادعائی انداز میں کوئی بات زور اور قوت کے ساتھ کہی یا کوئی کتاب کروفر سے لکھی، بس اسی پر پھسل پڑے، اور یہ سوچنے لگے کہ لکھنے یا بولنے والا یقیناً حق پر ہوگا جبھی تو اس کی بات میں اس درجہ قوت اور شوکت پائی جاتی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ روز بروز مسلمانوں کے معاشرہ میں اختلاف ونزاع کی شاخیں بڑھتی جارہی ہیں، اور ہر فرد اور ہر گروہ کو یہ اصرار ہے کہ حق اسی کے دائرہ میں محدود ومنحصر ہے، اس سلسلے میں عام اہل اسلام کی خدمت میں نہایت خیر خواہی اور دلسوزی کے ساتھ گزارش ہے کہ ہر لکھنے والے اور بولنے والے کی بات پر دھیان نہ دیں بلکہ چند اصولی باتیں محفوظ رکھ لیں اور خوب جانچ پرکھ کر کسی شخص کی بات پر اعتنا کریں۔

اہل سنت والجماعت:

سب سے پہلے اس بات کا خیال رکھیں کہ دین اسلام کے تمام عقائد واعمال رسول

اللہ ﷺ کے عہد مبارک ہی میں مرتب ومکمل ہو چکے ہیں، اور ان پر عمل درآمد بھی ہو چکا ہے، کیا عقیدہ ہونا چاہئے؟ کیا فرض ہے؟ کیا واجب ہے؟ کیا سنت ہے؟ کیا مستحب ومباح ہے؟ اور کیا چیزیں حرام وناجائز ہیں؟ اصولی طور پر یہ تمام اُمور خیر القرون (عہد رسالت وصحابہ) میں طے ہو چکے ہیں اور اہل اسلام کی راہ متعین ہو چکی ہے، اسی راہ پر چلنے کا ہر مسلمان ذمہ دار ہے، اس راہ کو اختیار کرنے والی جماعت اور افراد ''اہلسنت والجماعت'' کہلاتے ہیں۔ اہل سنت کے تمام عقائد واعمال وہی ہیں جو آنحضرت ﷺ اور صحابۂ کرام **رضی اللہ عنہم اجمعین** سے ثابت ہیں، اس راہ سے انحراف کرنا اور باہر نکلنا بالکل درست نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ
مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ
الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ
جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيْرًا۔
(سورۃ النساء: ۱۱۵)

اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی جبکہ کھل چکی اس پر سیدھی راہ اور چلے سب مسلمانوں کے رستہ کے خلاف تو ہم حوالہ کردیں گے اس کو وہی طرف جو اس نے اختیار کی اور ڈالیں گے ہم اس کو جہنم میں اور وہ بہت بری جگہ پہونچا۔

اس آیت کو بنظر غور دیکھئے، رسول کی مخالفت کرنے والا تو خیر جہنم میں جائے گا ہی، اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں سے الگ راستہ اختیار کرنے والا بھی اسی انجام میں گرفتار ہوگا، اس لئے بہت اہتمام سے اہل سنت والجماعت کے عقائد کو دریافت کرکے انھیں پختگی اور استقامت کے ساتھ تھامے رہنا چاہئے، خالص حق وہی ہے جسے آنحضرت ﷺ نے **ما أنا علیہ و أصحابی** کی بلیغ تعبیر میں واضح فرمایا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جس طریقہ پر آپ اور آپ کے اصحاب رہے ہیں وہی حق اور پسندیدۂ خداوندی ہے۔

سوادِ اعظم : رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: **إتبعوا السواد الاعظم فانه من شذ شذ فی النار** (ابن ماجہ) سوادِ اعظم کی راہ چلو، جو اس سے علیٰحدہ ہوا وہ جہنم میں گیا۔ سوادِ اعظم امت کا وہ باعظمت اور جلیل القدر طبقہ ہے جو صحابۂ کرام، ائمہ مجتہدین،

محدثین وفقہاء اور اہل حق مشائخ وصوفیہ کی عظیم جماعت پر مشتمل ہے، جس کی اصولِ دین میں ایک راہ متعین ہے، اور عددی لحاظ سے بھی نیز علم وفضل، زہد وتقویٰ، خشیت وللٰہیت کے اعتبار سے بھی امت کا کوئی فرقہ اس کا ہم پلہ نہیں۔ اور اسی مجموعہ کو ہم ''اہل سنت والجماعت'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ سوادِ اعظم کی راہ سے الگ نہیں ہونا چاہئے۔

امت کسی غلط مسئلہ پر متفق نہیں ہوسکتی:

رسول اللہ ﷺ نے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

إن الله لايجمع أمتى أوقال أمة محمدٍ علىٰ ضلالة ويدالله على الجماعة ومن شذ شذ فى النار۔ (ترمذی)	اللہ تعالیٰ میری امت کو کسی غلط مسئلہ پر متفق نہیں کرے گا، اور اللہ تعالیٰ کی مدد جماعت کے اوپر ہے اور جو اس سے ہٹا وہ جہنم میں گیا۔

آپ کا ارشاد برحق ہے، اور خدا کی جانب سے ہے۔ آج ہم چودہ سوسال کا تاریخی تجربہ رکھتے ہیں کہ کسی دور میں بھی امت کے اجتماعی مزاج نے کسی غلط مسئلے کو کبھی قبول نہیں کیا ہے، جب بھی کسی نے کوئی غلط مسئلہ اٹھایا اہل حق نے ٹوکا بالآخر گمراہی حرفِ غلط بن کر مٹ گئی اور حق کا اجالا پھیل کر رہا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ارشاد:

امام ربّانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''دینداری کا حصول اہل سنت والجماعت کے طریق حق کو اختیار کرنے پر موقوف ہے، اسلام کے تمام فرقوں میں یہی جماعت نجات یافتہ ہے، بزرگواران اہل سنت کی پیروی کے بغیر نجات محال ہے، اور ان کی رائے تسلیم کئے بغیر فلاح ناممکن۔ اس مضمون پر عقلی، نقلی اور کشفی دلائل شاہد ہیں، اگر یہ معلوم ہو کہ کوئی شخص ان اکابر کی راہِ اُستوار

> سے رائی بھر بھی ہٹا ہوا ہے تو اس کی صحبت کو سمِ قاتل سمجھنا چاہئے اور اس کی ہمنشینی کو زہر افعیٰ۔ (مکتوب: ۲۱۳، دفتر اوّل)

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

> "مکلفین کے ذمہ سب سے پہلے ضروری ہے کہ علماء اہل سنت والجماعت کی رائے کے موافق اپنے عقائد کی تصحیح کریں، نجاتِ آخرت کا مدار انھیں حضرات کی رہنمائی وہدایت پر ہے، یہی حضرات اور ان کے متبعین نجات یافتہ ہیں اور یہی بزرگوار نبی ﷺ اور صحابہ کرام کے طریقہ پر ہیں۔ کتاب وسنت سے جو علوم مستنبط وماخوذ ہیں وہ وہی ہیں جنھیں ان اکابر نے قرآن وسنت سے سمجھا ہے، کیونکہ تمام اہل باطل اور گم کردگان راہ بھی اپنے فاسد عقائد کو بزعم خویش کتاب وسنت ہی سے اخذ کرتے ہیں، لیکن (خوب سمجھ لینا چاہئے کہ) اہل سنت کے بتائے ہوئے مفہوم ومعانی کے ماسوا کچھ معتبر نہیں ہے۔

آگے چل کر حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کا ایک قول نقل کرتے ہیں کہ:

> "اگر ہمیں تمام احوال ومواجید عطا ہوں لیکن اہل سنت والجماعت کے عقائد سے ہمارا باطن آراستہ نہ ہو تو بجز خرابی کے کچھ حاصل نہیں، اور اگر تمام خرابیاں ہماری جانب منسوب ہوں لیکن اہل سنت کے عقائد کا دامن ہاتھ میں ہو تو کچھ اندیشہ نہیں۔ (مکتوب: ۱۹۳، دفتر اول)

ان تصریحات سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ عقائد واعمال کی وہی راہ معتبر ہے جو علماء اہلسنت کی متعین کردہ ہے، قرآن وسنت کا وہی مفہوم ومطلب درست ہے جس کی وضاحت علماء اہل سنت نے کی ہے، اگر ان حضرات کے خلاف کوئی شخص قرآن وحدیث کا کوئی اور مفہوم امت کے سامنے پیش کرے یا دین کی ایسی تصویر بنائے جس سے علماء اہلسنت واقف نہ ہوں، اس کو بجز گمراہی کے اور کچھ نہ سمجھنا چاہئے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

آج کل ایک خاص فرقہ کے افراد اپنے لئے اہل سنت کا لقب خصوصی طور پر

استعمال کرتے ہیں، ناظرین اس سے غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں، یہ گروہ اہل سنت سے علیحدہ ایک فرقہ ہے، اس نے بہت سی بدعات کو سنت بلکہ مدارِ ایمان ٹھہرا رکھا ہے، ان کا شمار اہل سنت میں نہیں ہے۔ اہل سنت وہی ہیں جو آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کے طریقہ پر اعتقاد وعمل کی بنیاد رکھتے ہیں خواہ وہ تنظیمی و جماعتی لحاظ سے اکٹھا کہیں نہ پائے جاتے ہوں۔ طریق اہل سنت پر ایک شخص اگر مشرق میں ہے اور دوسرا مغرب میں، تو دونوں اس جماعت حقہ کے فرد ہیں، خواہ دونوں کی ملاقات عمر بھر نہ ہو۔

گمراہوں کی شناخت:

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر غلط کاروں اور گمراہوں کی اصولی شناخت ذکر کر دی جائے، تاکہ مسلمانوں کو ان سے اجتناب کرنا آسان ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے جہاں ہر باب میں امت کی رہنمائی فرمائی ہے، وہیں اس عنوان کو بھی تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔ آپ نے اس قسم کے افراد کی واضح علامات ارشاد فرما دی ہیں جن کی روشنی میں ہر ایک گمراہ کو پہچانا جاسکتا ہے۔ فرماتے ہیں:

إن الشيطان ذئب الانسان كذئب الغنم ياخذ الشاذة والقاصية والناحية، إياكم والشعاب وعليكم بالجماعة والعامة۔ (احمد)

شیطان، انسان کا بھیڑیا ہے، جیسے بکریوں کا بھیڑیا جو ''شاذہ'' ''قاصیہ'' اور ''ناحیہ'' کو اچک لیتا ہے، مختلف گھاٹیوں میں منتشر ہونے سے بچو اور جماعت نیز عامۃ المسلمین کے طریقے کو تھامے رہو۔

''شاذہ'' وہ بکری ہے جو ریوڑ سے الگ تھلگ رہتی ہے اور اس میں مل جل کر رہنا پسند نہیں کرتی۔ ''قاصیہ'' وہ ہے جو چرنے کے انہماک میں ریوڑ کا کچھ خیال نہیں رکھتی آگے بڑھتی چلی جاتی ہے، حتیٰ کہ گلہ سے الگ جا پڑتی ہے۔ اور ''ناحیہ'' وہ بکری ہے جو غفلت میں کاہل بیٹھی رہ گئی، اور ریوڑ آگے نکل گیا۔ یہ تینوں قسم کی بکریاں بھیڑیئے کا لقمہ بن جاتی ہیں، بکریوں کی حفاظت اسی میں ہے کہ وہ گلہ کے ساتھ لگی لپٹی رہیں۔ گلہ بان سب کی حفاظت

کرتا رہے گا، ٹھیک یہی حال عام انسانوں اور مسلمانوں کا ہے، ان کے ذمے ضروری ہے کہ جس راستے پر امت کا سوادِ اعظم جا رہا ہے اسی راہ پر لگے رہیں، اس سے ذرا اِدھر اُدھر ہوئے کہ شیطان کا لقمہ بن جائیں گے۔

انفرادیت پسندی:

بعض لوگ اپنی امتیازی شان اور انفرادی حیثیت منوانا چاہتے ہیں، انھیں یہ خبط ہوتا ہے کہ سب لوگ جس راہ پر چل رہے ہیں اگر وہ بھی اسی راہ پر بھیڑ میں چلے تو انھیں کون پہچانے گا، ان کی انفرادیت پسندی انھیں عام راستے سے الگ لے جاتی ہے، بہت سے مسائل میں وہ تفرد اختیار کرتے ہیں، امت میں جو رائے کسی نے پیش نہیں کی ہے اس پر اصرار کرتے ہیں، تجدد کے شوق میں اصطلاحات کے مفہوم تبدیل کر ڈالتے ہیں، قرآن وحدیث میں جدید معانی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور جب عام اہل علم سے اس کی تائید نہیں پاتے تو بجائے اس کے کہ اپنی غلطی محسوس کریں انھیں کوتاہ بیں بدفہم اور غبی کہنے لگ جاتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ عام علماء پر سے اعتماد اٹھ جائے۔ یہ لوگ ''شاذہ'' کے مثل ہیں، ہمارے زمانہ میں اکثر تیز ذہن افراد جو فتنے لے کر اٹھے اور اہل سنت سے الگ انھوں نے راہ بنائی، ان میں سے بیشتر کے پیچھے یہی انفرادیت پسندی اور شوقِ تجدد کار فرما رہا ہے۔ ہندو پاک میں پائے جانے والے نومولود فرقوں سے جو لوگ آگاہ ہیں ان کے لئے شناخت مشکل نہیں ہے۔

غلو پسندی : بعض لوگوں کو انفرادیت اور تجدد کا شوق نہیں ہوتا، لیکن وہ کسی خاص مسئلہ پر اتنا زور دینے لگ جاتے ہیں اور اس درجہ اصرار کرتے ہیں کہ ان کی اہمیت اصل حیثیت سے آگے بڑھ جاتی ہے۔ دین کے مختلف شعبے اور اجزاء ہیں اور ہر ایک کی حیثیت متعین ہے، اپنی حیثیت سے کسی مسئلہ کو نکالنا درحقیقت پورے دین کا حلیہ بگاڑنا ہے، انسانی جسم میں ہر عضو کی ایک حیثیت اور مقدار متعین ہے، اگر کسی عضو کی مقدار عام مقدار سے بڑھ جائے تو پورا جسم بدصورت ہو کر رہ جاتا ہے، ٹھیک یہی حال دین کے مختلف شعبوں اور اجزاء کا ہے، بعض گروہوں نے تو سیاست وحکومت کو اس درجہ اہمیت دی کہ دین کا ہر شعبہ

اس کا خادم محسوس ہونے لگا، بعض لوگ کسی مستحب یا مباح امر پر اس درجہ اصرار کرنے لگتے ہیں کہ وہ فریضہ کے درجہ میں جا پہونچتا ہے، بعض لوگ طہارت وغیرہ کے مسائل میں اتنا غلو کرتے ہیں کہ واجبات تک متروک ہونے لگتے ہیں، بعض افراد کسی باطل فرقہ کی تردید میں اس درجہ انہماک رکھتے ہیں کہ پس وپیش نظر انداز ہو جاتا ہے، روافض کی تردید میں جو لوگ غلو کی حد تک پہونچ جاتے ہیں ان کا دل سیّدنا حضرت علی اور سیّدنا حضرت حسنین ؓ کی جانب سے صاف نہیں رہ جاتا، یہ سب لوگ ’’قاصیہ‘‘ کے زمرہ میں ہیں۔ یہ افراد اپنی ذہنی رَو میں چند خاص مسائل کو لے کر اتنی دور نکل جاتے ہیں کہ بہت سے دوسرے مسائل پس پشت ہو کر رہ جاتے ہیں، یہ لوگ بھی اغواء شیطانی کے شکار ہو جاتے ہیں۔

غفلت کوشی :

بعض لوگ اپنی کاہلی سستی کی وجہ سے احکام اسلام کی پابندی میں ڈھیلے ہوتے ہیں، اگر یہ مرض دور نہ کیا جائے تو رفتہ رفتہ ان کے ہاتھ سے بیشتر اسلامی تعلیمات کا دامن چھوٹ جاتا ہے، ان لوگوں کو دیکھ کر دوسرے افراد بھی سست اور درماندہ ہو جاتے ہیں، یہ ’’ناحیہ‘‘ کی صف میں ہیں، انھیں بھی شیطان اپنا شکار بنا لیتا ہے۔

مذکورہ بالا تینوں قسم کے افراد اگر اپنی حد تک محدود رہیں تو خرابی انھیں کے دائرۂ اثر تک رہ جاتی ہے، لیکن مصیبت اس وقت عام ہوتی ہے جب وہ اپنی ان کمزوریوں کو عام مسلمانوں میں پھیلانے کی ٹھان لیتے ہیں، پھر گمراہی پھیلتی چلی جاتی ہے، اور علماء اہل حق کے لئے تدارک مشکل ہو جاتا ہے۔

جامع نصیحت :

اخیر میں رسول اللہ ﷺ نے ایک جامع نصیحت فرمائی کہ عام مسلمانوں کو چھوڑ کر اِدھر اُدھر، اِس گھاٹی اور اُس گھاٹی میں مت جھانکو، ورنہ گمراہی کا بھیڑیا تمہیں دبوچ لے گا، وہی راہ جو متعین ہو چکی، جس پر صحابہ کرام، ائمۂ مجتہدین، فقہاء ومحدثین اور مشائخ وصوفیہ کا

قافلہ گذرا ہے، اور جس پر آج بھی صالحین کے قدم چل رہے ہیں اسی راہ پر لگے رہو، اس سے سرمو انحراف نہ کرو، یہی ہدایت ہے۔

متشابہات میں انہماک:

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے دو طرح کے مضامین بیان فرمائے ہیں، بعض مضامین وہ ہیں جن کا واضح اور روشن مطلب بیان کر دیا گیا ہے، ان کے مفہوم میں کوئی ابہام نہیں ہے مثلاً ایمان، نماز، روزہ وغیرہ اور جنت و دوزخ، حشر و نشر وغیرہ، انھیں محکم کہتے ہیں، اور بعض مضامین ایسے ہیں جن پر ایمان لانا تو ضروری ہے مگر ان کے مطالب کی تفصیل نہیں بیان کی گئی ہے، مثلاً تقدیر وغیرہ، انھیں متشابہ کہتے ہیں، حکم یہ دیا گیا ہے کہ متشابہات پر ایمان لاؤ، اور ان کی حقیقت واقعی کا علم خدا کے سپرد کر دو، ان کی چھان بین اور کھود کرید میں نہ پڑو، جب ان کی تفصیلات اللہ نے اور رسول نے نہیں ارشاد فرمائی تو ان کے علم کا دروازہ بند ہو چکا ہے، البتہ محکمات کا خاص دھیان رکھو، ڈرنے کی چیزوں سے ڈرو، امید کی چیزوں سے امید رکھو، اعمال کا اہتمام کرو، عقائد کو مضبوطی سے تھامو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْهُ آیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَاْوِیْلِهٖ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّا اُولُوا الْاَلْبَابِ۔

وہی ہے جس نے اتاری تم پر کتاب، اس میں بعض آیتیں محکم ہیں (یعنی ان کے معنی واضح ہیں) وہ اصل ہیں کتاب کی، اور دوسری متشابہ (یعنی جن کے معنی معلوم یا متعین نہیں) سو جن کے دلوں میں کجی ہے، وہ پیچھے پڑ جاتے ہیں متشابہات کے، گمراہی پھیلانے کی غرض سے اور مطلب معلوم کرنے کے لئے، اور ان کا مطلب کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے، اور مضبوط علم والے کہتے ہیں کہ ہم اس پر یقین لائے، سب ہمارے رب کی طرف سے اتری ہیں اور سمجھانے سے وہی سمجھتے ہیں جن کو عقل ہے۔ (سورہ آل عمران:)

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ سلیم الفطرت لوگ تو محکمات کا اہتمام کرتے ہیں کیونکہ کتاب اللہ کی بنیادی باتیں محکمات ہی ہیں، لیکن جو لوگ محکمات سے آنکھیں بند کرکے متشابہات کے چکر میں پڑ جاتے ہیں اور اپنی خواہش کے مطابق معانی نکال کر لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں ایسے لوگ قرآن کی خبر کے مطابق گمراہ ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے اپنی امت پر تین باتوں کا خوف ہے، اوّل یہ کہ مال بہت مل جائے جس کی وجہ سے باہمی حسد میں مبتلا ہوجائیں اور کشت وخون کرنے لگ جائیں۔ دوسری یہ کہ کتاب اللہ سامنے کھل جائے (یعنی ترجمہ کے ذریعہ ہر عامی اور جاہل بھی اس کے سمجھنے کا مدعی ہوجائے) اور اس میں جو باتیں سمجھنے کی نہیں ہیں یعنی متشابہات اُن کے معنی سمجھنے کی کوشش کریں، حالانکہ ان کا مطلب اللہ ہی جانتا ہے۔ تیسرے یہ کہ ان کا علم بڑھ جائے گا تو اسے ضائع کردیں، اور علم بڑھانے کی جستجو چھوڑ دیں۔
(معارف القرآن بحوالہ ابن کثیر)

آج ہمارے دور میں کتنی جماعتیں اور افراد ایسے ہیں کہ اسلام کی بنیادی تعلیمات اور اصولی باتوں سے غافل ہیں، دین کے ظاہری اور باطنی کتنے احکام کو پامال کررہے ہیں، لیکن جن باتوں کو شریعت نے مجمل اور متشابہ رکھا ہے ان کے خودساختہ معانی کی بنیاد پر تکفیر وتضلیل تک کرتے رہتے ہیں، قادیانی کی گمراہی بیشتر متشابہات کی خودساختہ تاویل پر ہے۔

انکارِ حدیث: بعض لوگ ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو صرف قرآن کے ماننے کے مدعی ہیں اور احادیث کا انکار کرتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ احادیث سب گھڑی ہوئی ہیں، یہ بھی گمراہی کی ایک علامت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے قرآن عطا ہوا ہے، اور اسی کے بقدر اور بھی علم مرحمت کیا گیا ہے، ایسا نہ ہو کہ کوئی آسودہ شکم آدمی مسہری پر لیٹا ہوا یہ کہے کہ صرف قرآن کو پکڑو، جو اس میں حلال دیکھو اسے حلال سمجھو، اور جس کو اس میں حرام پاؤ بس اسی کو حرام سمجھو۔ سن لو کہ جس چیز کو اللہ کے رسول نے حرام کیا وہ بھی ایسا ہی ہے جیسے اللہ نے حرام قرار دیا۔ (ابوداؤد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گمراہی کا ایک دروازہ انکار حدیث بھی ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ صحیح احادیث کے انکار کے بعد قرآن پر ایمان رکھنے کی بات محض مغالطہ ہے، منکر حدیث قرآن مجید نہیں بلکہ قرآن کے خودساختہ مطلب پر جو اپنی خواہش نفس کے تقاضے سے اخذ کرتا ہے، ایمان رکھتا ہے، اور اسی پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے، اس طرح وہ قرآن کی طرف نہیں بلکہ اپنے بیان کئے ہوئے مطلب پر ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کھلی ہوئی گمراہی ہے۔

جہالت کے ساتھ ادعاء علم:

مذکورہ گمراہیوں کے علاوہ ہمارے زمانہ میں گمراہی کی ایک اور نئی مگر قابل شرم قسم بھی پیدا ہوگئی ہے وہ ہے علم نہ رکھنے کے باوجود دعوئ علم۔ قاعدہ ہے اور سارے عالم کا مسلّمہ اصول ہے کہ علم خواہ کتنا ہی معمولی ہو، کسی استاذ کی خدمت میں رہ کر سیکھنا پڑتا ہے، اسی اصول کی بناء پر قدیم زمانے سے مکاتب ومدارس کا رواج ہے، اور آج بھی تمام تر بے اصولی اور بے تکے پن کے باوجود اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کا نظام اہتمام کے ساتھ چلایا جارہا ہے۔ دنیاوی علوم میں کسی کو یہ خبط نہیں ہوتا کہ محض مطالعہ کے زور پر ان علوم کے ماہرین پر نقد وتبصرہ شروع کردے، اور اگر کسی نے اپنے مطالعہ کے بل پر کسی علم کو کچھ سمجھ بھی لیا تو ماہرین کے سامنے زبان کھولنے کی ہمت نہیں کرتا۔ یہ دنیا کا اتنا مسلم قاعدہ ہے کہ کوئی احمق سے احمق انسان بھی اس سے اختلاف نہیں رکھتا، ان تعلیم گاہوں پر قوم کا، حکومت کا کتنا بڑا سرمایہ خرچ ہوتا ہے اس کا اندازہ بھی نہیں لگایا جاسکتا لیکن آج تک کسی نے یہ مشورہ نہیں دیا کہ ان دانش گاہوں کو بند کردو سرمایہ ضائع نہ کرو، ذہین افراد خود مطالعہ کے زور پر ان علوم کو حاصل کرلیں گے۔

لیکن مسلمانوں میں ایک طبقہ ایسا بھی پیدا ہوگیا جس کو دینی علوم میں یہ قاعدہ تسلیم نہیں ہے اس کا خیال ہے کہ اگر کسی نے باقاعدہ کسی تعلیم گاہ میں وقت، عمر اور مال خرچ کرکے علوم کی تحصیل کی ہے، اساتذہ سے پڑھا ہے، یکسو ہوکر اپنے کو محض علم کے حوالے ایک

مدت تک کررکھا ہے اسے دین کی سمجھ حاصل نہیں ، وہ قرآن وسنت کا مفہوم نہیں سمجھتا لیکن ایک ایسا شخص جس نے دینی مدارس کا رخ نہیں کیا، علم کے ماحول میں نہیں رہا، اساتذہ سے نہیں پڑھا، محض مطالعہ کیا ہے اسے دین کی صحیح سمجھ حاصل ہے، اور ظلم تو یہاں تک بڑھ گیا ہے کہ ایک شخص قرآن وسنت کی بنیادی زبان سے بھی ناواقف ہے لیکن اس کا دعویٰ ہے کہ میں ان لوگوں سے بہتر دین سمجھتا ہوں جنھوں نے دین ہی کے لئے اپنی عمریں کھپا ڈالی ہیں ۔ گمراہوں کی یہ سب سے بدترین قسم ہے جو صرف علم ہی سے تہی مایہ نہیں ہے بلکہ ضروری انسانی عقل وخرد سے بھی یکسر عاری ہے، مسلمانوں کو ایسے ناخلف افراد سے بہت ہوشیار رہنا چاہئے۔

یاد رکھئے ! ہمیشہ ایسے علماء پر اعتماد کیجئے جنھوں نے باقاعدہ اساتذہ کی خدمت میں رہ کر دینی علوم کو حاصل کیا ہو، اور ان میں للّٰہیت ، خداترسی ، ورع وتقویٰ کی صفات موجود ہوں، دینی مدارس میں ایسے علماء کرام اور مفتیان ذی احترم موجود ہیں جن سے علمی رہنمائی حاصل ہوسکتی ہے۔

مرادِ ما نصیحت بود کردیم

☆☆☆☆☆

تصانیف حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ

(۱) **تسہیل الجلالین** ”شرح اردو جلالین شریف“ (جلد اول)
(سورہ بقرہ تا سورہ نساء، سوا پانچ پارے)، صفحات:648 قیمت:400

(۲) **حدیث دوستاں**
دینی واصلاحی اور علمی وادبی مکاتیب کا مجموعہ، صفحات:730 قیمت:350

(۳) **کھوئے ہوؤں کی جستجو**
مختلف شخصیات پر لکھے گئے مضامین کا مجموعہ، صفحات:616 قیمت:200

(۴) **حیاتِ مصلح الامت**
حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب اعظمی کی مفصل سوانح، صفحات:528 قیمت:150

(۵) **مدارسِ اسلامیہ، مشورے اور گزارشیں** (جدید اضافہ شدہ ایڈیشن)
مدارس سے متعلق مضامین کا مجموعہ، صفحات:312 قیمت:150

(۶) **بطوافِ کعبہ رفتم** ۔۔۔ (سفرنامۂ حج) (جدید اضافہ شدہ ایڈیشن)
حرمین شریفین (مکہ مکرمہ ومدینہ منورہ) کے سفر کی روداد، صفحات:464 قیمت:300

(۷) **تہجد گزار بندے** (جدید اضافہ شدہ ایڈیشن)
تہجد کی اہمیت وفضیلت اور تہجد گزار بندوں کا تفصیلی تذکرہ، صفحات:472 قیمت300

(۸) **ذکرِ جامی**
ترجمان مصلح الامتؒ مولانا عبدالرحمٰن جامی کے حالاتِ زندگی، صفحات:216 قیمت:90

(۹) حضرت چاندشاہ صاحب اوران کاخانوادۂ تصوف

حضرت چاندشاہ صاحب ٹانڈوی اوران کے خلفاء کے حالات، صفحات:180 قیمت:70

(۱۰) تذکرہ شیخ ہالیجویؒ: سندھ کے معروف شیخ طریقت وعالم اور مجاہد فی سبیل اللہ

حضرت مولانا حماداللہ صاحب ہالیجوی کا مفصل تذکرہ۔ صفحات:224، قیمت:56

(۱۱) مودودی صاحب اپنے افکارونظریات کے آئینہ میں

مولانا بنوریؒ کی عربی کتاب الاستاذ المودودی کا ترجمہ۔ صفحات:184، قیمت:95

(۱۲) حکایت ہستی (جدید اضافہ شدہ ایڈیشن)

خودنوشت سوانح، ابتداء حیات سے اختتام طالب علمی تک۔ صفحات:384، قیمت:250

(۱۳) **کثرتِ عبادت** عزیمت یا بدعت؟ قیمت ۲۸/روپے

(۱۴) **قتل ناحق** قرآن وحدیث کی روشنی میں قیمت ۱۶/روپے

(۱۵) تعویذات وعملیات کی حقیقت وشرعی حیثیت قیمت ۲۰/روپے

(۱۶) شب برأت کی شرعی حیثیت قیمت ۴۰/روپے

(۱۷) اخلاق العلماء علماء کیلئے خاص چیز قیمت ۲۰/روپے

(۱۸) دینداری کے دودشمن حرصِ مال وحب جاہ قیمت ۴۰/روپے

(۱۹) فتنوں کی طغیانی ٹی۔وی پر ایک فکرانگیز تحریر! قیمت ۱۵/روپے

(۲۰) اہل حق اوراہل باطل کی شناخت قیمت ۶۰/روپے

(۲۱) مالی معاملات کی کمزوریاں اورانکی اصلاح قیمت ۴۰/روپے

(۲۲) منصب تدریس اورحضرات مدرسین قیمت ۵۰/روپے

(۲۳) حج وعمرہ کے بعض مسائل میں غلو اوراس کی اصلاح	قیمت ۳۵/روپے
(۲۴) برکات زمزم ماءِ زمزم کی فضیلت واہمیت کا بیان	قیمت ۲۵/روپے
(۲۵) تصوف ایک تعارف!	قیمت ۸۰/روپے
(۲۶) خواب کی شرعی حیثیت	قیمت ۴۰/روپے
(۲۷) تکبر اوراس کا انجام	قیمت ۳۰/روپے
(۲۸) مسئلۂ ایصالِ ثواب	قیمت ۶۰/روپے
(۲۹) مروجہ جلسے بے اعتدالیاں اوران کی اصلاح	قیمت ۳۰/روپے
(۳۰) رمضان المبارک: نیکیوں کا موسم بہار	قیمت ۴۰/روپے

اسٹاکسٹ

مکتبہ ضیاء الکتب اتراری، خیرآباد، ضلع مئو (یوپی)
PIN:276403 MOB:9235327576

دیوبند میں ہماری کتابیں ملنے کا پتہ

کتب خانہ نعیمیہ، جامع مسجد دیوبند (01336223294)

دہلی میں ہماری کتابیں ملنے کا پتہ

فرید بک ڈپو، پٹودی ہاؤس دریا گنج نئی دہلی ۲ (01123289786)